2782

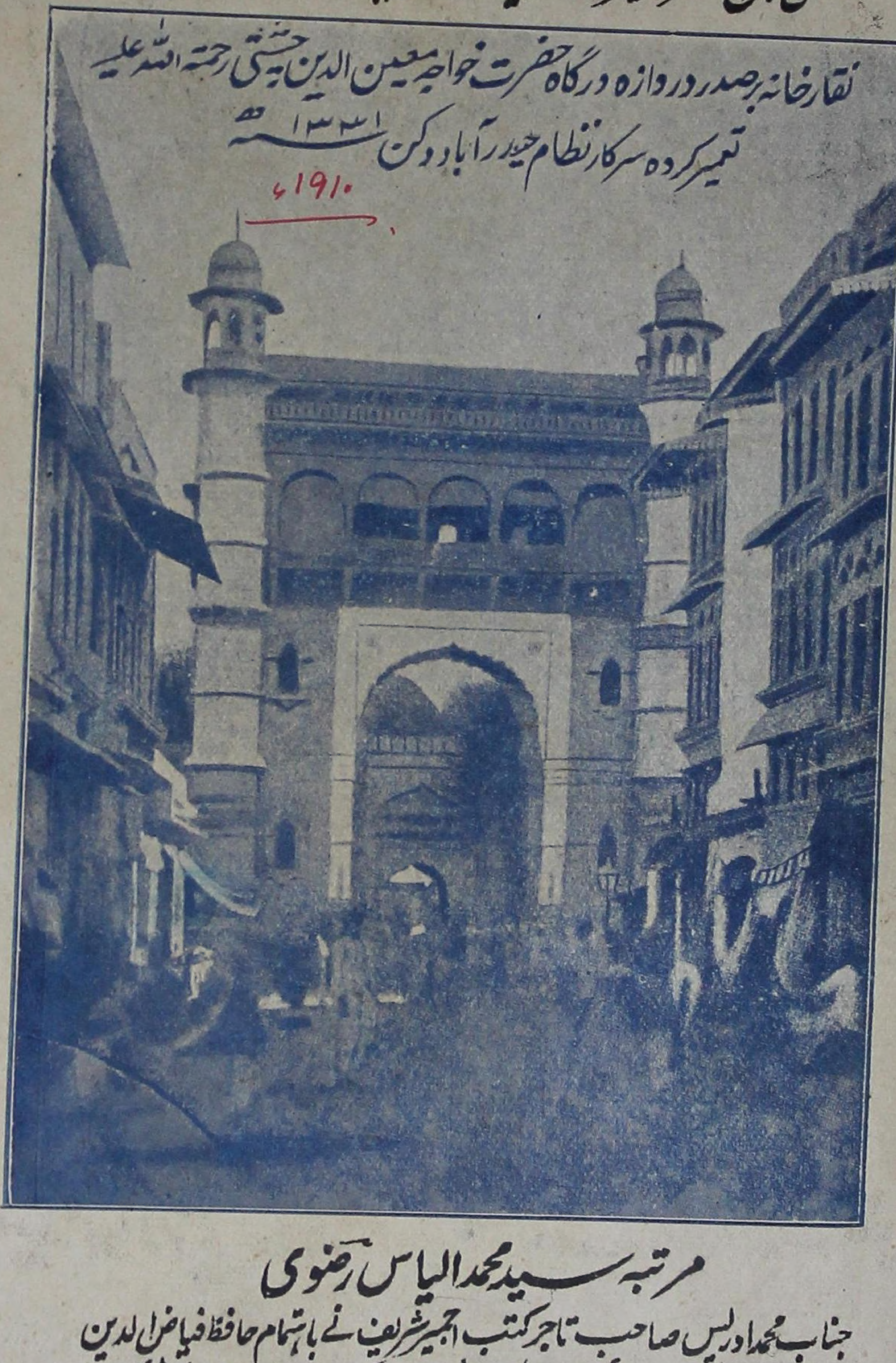
100 yrs old

Criminology

سوانح عمری

خواجہ معین الدین چشتی

مع تاریخ شہر اجمیر شریف و نقشہ جات مقامات خاص



نقارخانہ بر صدر دروازہ درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

تعمیر کردہ سرکار نظام حیدر آباد دکن ۱۳۳۱ھ

۱۹۱۰ء

مرتبہ سید محمد الیاس رضوی

جناب محمد ادریس صاحب تاجر کتب اجمیر شریف نے باہتمام حافظ فیاض الدین

ابو العلائی اسٹیم پریس آگرہ میں چھپوائی

باسمہ سبحانہ

نسبت

گوہر کو عقد گردن خوبان میں دیکھنا
(غالب)
کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے

ذرہ آفتاب نہیں ہو سکتا لیکن آفتاب کا ادنیٰ پرتو اسکو چمکا سکتا ہے۔ گویا آفتاب کی ادنیٰ سی نسبت بھی ذرۂ ناچیز کیلئے ہزاروں رنگینیوں اور فخر و اعزاز کا سامان پیدا کردیتی ہے پس میں اس ناچیز تالیف کو اپنے والد بزرگوار قبلہ مولوی سید محمد حنیف صاحب مرحوم تاجر کتب رئیس اجمیر کے نام نامی سے منسوب کرتا ہوں جنکے ایماء سے مجھے اس کتاب کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔

ذرۂ ناچیز
الیاس رضوی

باسمہ سبحانہ

تمہید

اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ ایک سلسلہ وار ترقی سے ظہور میں آئی ہے۔ چنانچہ یہہ فن ابتدائے آفرینش سے موجودہ زمانہ تک مختلف تہذیبوں کے مختلف سانچوں میں ڈھلتا چلا آیا ہے۔

پہلا دور تاریخ کا پہلا دور وہ زمانہ ہے جسوقت انسان کو دنیا میں آئے تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا اور قدرت کے کارخانے اسکے لئے معمے سے کم نہ تھے۔ فضائے آسمانی پر آفتاب وماہتاب کی گردش۔ ان کا طلوع وغروب۔ دن اور رات کا چھوٹا اور بڑا ہونا۔ موسموں کی تبدیلی غرضکہ دنیا کی ہر چیز اسکو متاثر کردیتی تھی اور وہ اسکو تشبیہوں اور استعاروں کے رنگ میں شاعرانہ انداز سے بیان کرتا تھا۔ یہی گیت اور نظمیں آیندہ نسلوں کے لیئے اس زمانہ کی تاریخ ہوگئیں۔ جس زمانہ میں وہ تصنیف کی گئی تھیں۔ یہی گیت اور نظمیں ہیں جو ہم کو اسوقت کی تہذیب وترقی کے حالات۔ سوسائٹی کا رنگ اور لوگوں کے مذاق ومیلان طبیعت کا اندازہ بتلاتی ہیں۔

دوسرا دور انسان کی تہذیب وشائستگی کی ترقی نے اس فن میں بھی اک انقلاب پیدا کیا اور اسنے ایک نئی صورت اختیار کی یہ تاریخ کا دوسرا دور ہے اب انسان کا تجربہ بڑھ چلا تھا۔ اسلیئے تاریخ محض جذبات انسانی کی ایک داستان ہی نہ رہی بلکہ اُسمیں انسانی کارناموں کو بھی داخل کیا گیا پھر بھی یہہ واقعات اپنے اصلی رنگ میں ظاہر نہیں کئے جاتے تھے۔ بلکہ ہر روایت میں خیالی عظمت وشوکت کو بھی دخل تھا

جو بڑے آدمی اس دور میں پیدا ہوئے اونکی عظیم الشان کارنامے ظاہر کرنے کے لئے بہت سی داستانیں بعد میں لکھی گئیں لیکن وہ واقعات کی صراحت سے بالکل معرّا ہیں اور ہر ایک روایت میں مبالغہ کو بہت کچھہ دخل ہے۔ فردوسی کا شاہنامہ۔ ہومر کی ایلڈ اور اوڈیسی اور ہندوستان کی مہابھارت اس عہد کی تصانیف ہیں۔

تیسرا دور تاریخ کی تیسری منزل اسوقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ تاریخ محض تاریخ کی غرض سے لکھی گئی۔ اس سے پہلے تک اسکا منشا صرف جذبات کا اظہار کرنا یا بزرگوں کی عظمت کا تذکرہ تھا۔ لیکن اب انسان نے گذشتہ اور موجودہ واقعات کو فراہم کرنا شروع کیا ان کو ایک ترتیب سے جمع کیا پھر بھی تاریخ نویسی کا مذاق یکمل نہیں ہوا کیونکہ اس زمانہ کی تاریخیں محض واقعات کی فہرستیں تھیں نہ کہ ملک اور سوسائٹی کی حالت کی فلسفیانہ تشریح۔ نیز اسوقت تک بھی تھوڑا بہت مبالغہ شامل تھا۔

چوتھا دور (موجودہ) جب انسان کے غور و فکر کی قابلیت اس درجہ تک پہونچگئی کہ باریک سے باریک عقدہ کا حل کرنا اوسکے لئے کچھہ دشوار نہ تھا تو اوسنے واقعات عالم پر ایک سرسری نگاہ ڈالنا پسند نہیں کیا بلکہ بحیثیت مجموعی اونکی رفتار کا اندازہ کرنا شروع کیا عام اسباب کے عام نتائج معلوم کرنیکے بعد چند عام اصول قایم کئے اور اُن کو پیش نظر رکھکر واقعات کی رفتار پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی۔ اب تاریخ فہرست نہ تھی بلکہ اسباب و نتائج کی فلسفیانہ تشریح ہوگئی۔ ہندوستان نے ابھی تک اس جانب توجہ نہیں کی تھی لیکن شمس العلما علامہ شبلی نعمانی اور مولانا محمد حسین آزاد نے یہ رنگ ضرور اختیار کیا اور کامیابی کے ساتھہ اسکو نباہا اور گو کہ ابھی عام ہندوستان تاریخ نویسی کے اس مذاق جدید سے ناآشنا ہے پھر بھی ایک طبقہ ایسا ضرور موجود ہے جس نے

یہ رنگ اختیار کیا۔

حضرت خواجۂ بزرگ اجمیری کی متعدد سوانح عمریاں وقتاً فوقتاً مختلف مصنفین نے لکھی ہیں اور وہ اپنے اپنے رنگ میں غنیمت ہیں۔ لیکن اس جدید معیار پر وہ پوری نہیں اتر سکتیں۔ وہ صرف حضرت خواجۂ بزرگ کی زندگی کے واقعات سے پر ہیں لیکن اُنسے خواجۂ بزرگ کی زندگی کے مقصد اور اُسکے مختلف پہلوؤں پر روشنی نہیں پڑسکتی اُن سے بعض ایسے واقعات بھی مفقود ہیں جو موجودہ زمانہ میں ایک لایف کیلئے ضروری ہیں ایک ایسے بزرگ رہنما کی لایف جو ہندوستان میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا آفتاب ہوا ہے ان واقعات سے بالکل خالی ہو جو اوسکی زندگی کا نسب العین تھے اور جسکے لئے اُسنے اپنی عمر گرانمایہ صرف کی!

اکابر ملت کی سوانح عمریاں لکھنے اور پڑھنے کا خاص مقصد یہی ہوتا ہے کہ اُنکی زندگی ہمارے لئے سبق آموز ہو اور ہم انکی اس سنت کو زندہ رکھیں جسکے لئے انہوں نے اسقدر ایثار و قربانیاں کیں حضرت خواجۂ بزرگ علیہ الرحمۃ کے اسلامی کارنامے آج بھی مسلمانان ہند کے لئے تازیانۂ عبرت اور دعوت عمل اور انکی خاموش تبلیغ حق کی رسم کو زندہ رکھنے کے لئے مجسّم تقاضا ہیں

پس کہاں ہیں حضرت خواجۂ بزرگ سے الفت جتلانے والے۔ آئیں اور دیکھیں کہ حضرت خواجۂ بزرگ کی زندگی ان کو کیا سبق دیتی ہے!

میں ایک عرصہ سے خواجۂ بزرگؒ کی سوانح عمریوں میں یہ کمی محسوس کر رہا تھا اور میں نے کچھ لکھنا بھی شروع کیا تھا لیکن دوسری قومی وملکی ضروریات کے انہماک نے اس طرف توجہ کی مطلق مہلت نہ دی اور یہ کام یونہی پڑا رہا۔ ظاہر ہے کہ اس کام کے لئے مجھے کافی وقت

ومطالعہ کی ضرورت ہے اور ہنوز دوسرے مشاغل نے اتنی مہلت نہیں دی تاہم احباب کے اصرار وتقاضہ سے تنگ آکر سردست جو کچھ بھی ممکن ہوا نقش اول کے طور پر پیش کر رہا ہوں - فی الحال یہ نہایت عجلت میں لکھی گئی ہے - انشاءاللہ دوسرے ایڈیشن میں تمام تلافیاں کردی جائیگی - اور انشاءاللہ ایک مفصل ومبسوط تاریخ پیش کیجائیگی -

یہ سوانح عمری درحقیقت اوسی مفصل تاریخ کا ایک چربہ ہے - مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ ممکن ہے میں اپنے ارادہ میں کامیابی حاصل نہ کرسکا ہوں اور اس نقش میں کچھ نقائص واسقام ہوں - لیکن میں اپنی گوناگوں مصروفیتیں پیش کرکے معذرت خواہ ہوں -

ویسے تو اجمیر ایک قدیم تاریخی شہر ہے اور وہ سلسلۂ کوہ جو اسکے چاروں طرف ایک قدرتی قلعہ ہے اپنے دامن میں ہندوستان کے تاریخی انقلاب کے ہزارہا کارنامے چھپائے ہوئے ہے لیکن حضرت خواجہ بزرگ کی سوانح حیات کیساتھ اس شہر کی تاریخ یوں بھی ضروری تھی کہ اس بزرگ ہستی کی نظر انتخاب نے اسی شہر کو اسلامی خدمات کا مرکز قرار دیا اور یہی آج انکے وطن ثانی ہونیکا فخر رکھتا ہے - چنانچہ اس کتاب کا دوسرا حصہ صرف شہر اجمیر کا تاریخی تذکرہ ہے - اور اسمیں ان تمام تاریخی عمارتوں کا مفصل حال لکھدیا گیا ہے جو ایک سیاح کیلئے تاریخی واقعات کا ذخیرہ ہیں - اور جنکی بوسیدہ اور پرانی دیواریں تاریخ ہند کے بیشمار ابواب کا افتتاح ہیں -

حنفیہ منزل - اجمیر
یکم اگست ۱۹۲۵ء

سید محمد الیاس رضوی

باب اوّل

پہلی منزل

(پیدائش۔خاندانی حالات۔وطن کی حالت۔ترک وطن۔ایام طفولیت ۵۴۹ھ کے حادثات یتیمی باغبانی و زراعت

نیشاپور کا دوسرا ہنگامہ)

حکایت از قدِ آں یار دلنواز کنیم
بایں فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

پیدائش حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کی ولادت کے متعلق موٴرخین میں اختلاف ہے لیکن کثرت اسی جانب ہے کہ آپ ۱۴ رجب المرجب ۵۳۶ھ مطابق ۱۱۴۱ء کو بمقام سنجر پیدا ہوئے۔سنجر اسوقت علاقہ سیستان میں واقع تھا۔آجکل اسکی جائے وقوع کا ٹھیک پتہ نہیں بتلایا جا سکتا۔اسی سال حضرت ابوالفضائل عبداللہ عین القضاۃ ہمدانی نے انتقال فرمایا اور اسی سال حضرت مولانا احمد جام رحمۃ اللہ علیہ بھی واصل حق ہوئے امام غزالی علیہ الرحمۃ کے انتقال کے اکتیس ۳۱ سال اور شیخ ابوسعید مخزومی کے تیرہ سال بعد آپ کی ولادت ہوئی۔

خاندانی حالات آپ کے والد بزرگوار کا نام سید غیاث الدین حسن اور والدہ کا نام بی بی ماہ نور اور کنیت ام الورع ہے۔آپ کے والد علاقہ سیستان کے ممتاز اور مقتدر بزرگ تھے۔آپکا سلسلۂ نسب پدری تیرہویں پشت میں حضرت امام حسین علیہ السلام سے اور سلسلۂ نسب مادری دسویں پشت میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے آپ اس اعتبار سے حسنی الحسینی سید ہوئے آپ کے خاندانی حالات کا اس سے

زیادہ پتہ نہیں چلتا۔تاریخیں اس باب میں بالکل خاموش ہیں۔ یہ بھی نہیں معلوم ہوسکتا کہ آپکے اور بھائی یا بہنیں وغیرہ بھی تھیں یا نہیں۔

وطن کی حالت

خواجہ صاحب چھٹی صدی ہجری کے درمیانی زمانہ میں پیدا ہوئے اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مختلف ممالک میں اسلام ایک نازک دور سے گذر رہا تھا جگہ جگہ خانہ جنگیاں برپا تھیں۔وسط ایشیا، تاتاریوں کی لوٹ مار اور فتنہ وفساد کی جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ہندوستان میں دولت غزنویہ کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔اس آفت خیز زمانہ میں آپکا وطن بھی زمانہ کی دستبرد سے محفوظ نہ تھا۔اس علاقہ میں بھی وحشی لوٹیروں کا زور تھا۔اور ملک انکے رحم پر تھا۔عام تباہی اور بربادی پھیلی ہوئی تھی۔ادہر شہروں میں ملاحدہ اور فرقہ باطنیہ کی بدعات کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

ترک وطن

خواجہ صاحب کی پیدائش کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی آپ کے والد نے وطن کو خیرباد کہکر خراسان کا عزم کیا۔بظاہر اسکی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ سیستان کی بدنظمی۔تباہی اور آئے دن کی مصیبتوں اور پریشانیوں سے تنگ آکر آپکے والد وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور خراسان میں مستقل سکونت اختیار کی۔خواجہ صاحب کا زمانۂ طفولیت یہیں گذرا اور آپ نے یہیں نشو ونما پائی۔لیکن تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں بھی آپ کے والد کا وہ مقصد حاصل نہیں ہوا جسکے لئے انہوں نے وطن ترک کیا۔ خود خراسان کی حالت اوس زمانہ میں اسقدر پُرآشوب تھی کہ وہاں بھی کسی کو امن اور اطمینان میسر نہ تھا۔

طفولیت ۵۴۹ھ کے حادثات

خواجہ صاحب خراسان میں تھے۔اور خراسان بھی ہولناک مظالم کا ایک منظر عام تھا ہوش

سنبھالتے ہی آپ کے پیش نظر تکالیف مصائب مظالم اور خونریزیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ نے دیکھا کہ اہل اللہ اور علما پر کیا کیا مظالم کیے جا رہے ہیں اور اسلام کی بیحرمتی خود مدعیان اسلام کے ہاتھوں کسطرح ہو رہی ہے۔ اسلئے کہ ۵۴۹ھ میں جبکہ آپکی عمر تیرہ سال کی تھی خراسان عام خونریزیوں اور جنگ و جدل کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اسی سال سلطان سنجر کو تاتاریان غزد کے مقابلہ میں شکست ہوئی سلطان گرفتار ہوا۔ اب ملک کا کوئی حامی و نگہبان باقی نہ تھا جو بدنظمی کو روکتا اور رعایا کی حفاظت کرتا۔ وسط ایشیا کے وحشی درندے لوٹ مار کرنے والے گروہ خراسان میں جا داخل ہوئے اور جگہ جگہ لوٹ مار کشت و خون کا بازار گرم کر دیا طوس، مشہد مقدس، نیشاپور کو بہت بیرحمی سے نہ صرف لوٹا بلکہ عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ لڑکوں کو پکڑ پکڑ کر غلام بنایا گیا۔ لوگوں کے مکانات منہدم کیے گئے اور مساجد کو تباہ و برباد کیا۔ غرضکہ ایک قیامت صغرا بپا ہو گئی۔ نیشاپور میں اسقدر ظلم کیا گیا کہ وحشیوں نے اپنے خیال میں کسی کو زندہ نہ چھوڑا۔ اتفاقیہ کچھ لوگ چھپ چھپا کر بھاگ نکلے اور بچگئے۔

لاشوں کے انبار اور تودے ہر طرف لگے ہوئے تھے اور ایک ہولناک سماں تمام ملک پر چھایا ہوا تھا۔ کچھ لوگوں نے مساجد میں پناہ لی۔ انکے دروازے بند کر لئے لیکن ظالموں نے مسجد کے دروازوں کو بھی کلہاڑیوں سے توڑ دیا۔ اور تمام پناہ گیروں کو مسجد ہی میں شہید کیا۔ کچھ لوگ نیشاپور کے بیمارستان (شفاخانہ) میں بھی پناہ گزین تھے اسکی عمارت بہت مضبوط اور عالیشان تھی لیکن تاتاری اسمیں بھی جا داخل ہوئے اور بلا امتیاز سب کو جام شہادت پلایا۔ نہ کسی مریض کی رعایت کی نہ کسی طبیب کو چھوڑا۔

اس فتنہ کا اثر عوام تک ہی محدود نہ تھا بلکہ بڑے بڑے علماء و شیوخ بھی انکے دست تظلم سے نہ بچ سکے۔ چنانچہ نیشاپور میں جو صلحاء امت انکے ہاتھوں شہید ہوئے

ان کے نام یہ ہیں:-

۱۔محمد بن یحیٰی فقیہ شافعی۔جو علم و فضل میں یگانۂ عصر تھے۔تبحر علمی میں فرد زمانہ اوران کا حلقۂ درس مشرق ومغرب کے طلباء کا مرجع تھا۔ ۲۔عبدالرحمٰن بن عبدالصمد اکاف نیشاپوری۔بڑے عابد وزاہد اور فقیہ تھے۔خود سلطان سنجر بھی اظہار عقیدت کے لئے انکی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ۳۔احمد حسین بن کاتب۔امام قشیریؒ کے نواسے تھے ۴۔ابوالبرکات فراوی امام علی صباح۔اس عہد کے زبردست متکلم۔ ۵حسن بن عبدالمجید رازی ان کے علاوہ اور بیشمار علماء عباد اور زہاد تھے جو نہایت بیدردی سے شہید کئے گئے اور بڑے بڑے کتبخانوں میں آگ لگائی گئی غرضکہ یہہ تہلکہ آمیز منظر تھا جو خواجہ صاحب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔زمانہ طفولیت کے یہی واقعات ہیں جن کو خواجہ صاحب کی زندگی کے طرز عمل میں بہت کچھہ دخل ہے۔ان واقعات نے خواجہ صاحب کے قلب پر ایک گہرا نقش جمایا اور وہ آخر تک جمارہا۔انہی حالات سے متاثر ہوکر خواجہ بزرگ نے اپنی زندگی کا نصب العین اسلام کی خدمت۔امن وصلح کی تعلیم۔اور مظلوموں کی امداد وحمایت قرار دیا اور آخر وقت تک اسکی تکمیل میں مصروف رہے اور اپنے پیرؤں کے لئے ایک اسوۂ حسنہ قرار دیگئے۔

تعلیم وتربیت آپ کے سوانح نگاروں نے اسپر روشنی نہیں ڈالی کہ بچپن میں آپکی تعلیم وتربیت کے لئے کیا انتظام ہوا لیکن واقعات بتلارہے ہیں کہ خواجہ صاحب کی تربیت کا سامان خود قدرت نے فراہم کردیا تھا۔ ۵۴۹ھ کے حادثات اور پھر کمسنی کی یتیمی آپکے لئے ایک داستان عبرت بنگئی اور یہیں سے آپ کو وہ سبق حاصل ہوا جو ہزاروں تربیتوں کے بعد بھی مشکل سے حاصل ہوسکتا ہے یہی حضرت

خواجۂ بزرگ کی زندگی کی نمایاں خصوصیت ہے۔

یتیمی

فتنۂ تاتار ختم ہو چکا تھا لیکن اسکے اثرات باقی تھے۔ اور ہنوز لوگوں کے مجروح قلوب کا اندمال نہیں ہوا تھا نہ ملک میں پورے طور پر امن و نظم قایم ہوا تھا کہ ۱۵۵ھ میں جبکہ خواجہ صاحب کی عمر ۱۵ سال کی تھی آپ کے والد بزرگوار نے رحلت فرمائی۔ زمانہ پہلے ہی نازک تھا پر مشفق و مہربان باپ کی وفات نے خواجہ صاحب کے دل پر کیا کیا جور و ستم نہ ڈہائے ہونگے کہ اسی سال آپکی والدہ نے بھی انتقال فرمایا۔ اب خواجہ صاحب بالکل یتیم ہو گئے۔ اس کم عمری اور پر آشوب زمانہ میں نہ ماں کا آغوش محبت تھا نہ باپ کا سایۂ عاطفت

باغبانی و زراعت

خواجہ صاحب کے استقلال میں ان واقعات سے کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ نے ان واقعات پر صبر کیا آپ کو ایک باغ اور پن چکی ورثہ میں ملی تھی۔ اب آپ کے لئے فکر معاش ضروری تھی۔ آپ نے باغبانی شروع کی۔ آپ تمام کام اپنے ہاتھوں سے کیا کرتے تھے۔ باغ کی نگرانی۔ درختوں کو پانی پلانا۔ انکی کاٹ چھانٹ۔ ان کو کھاد دینا وغیرہ سب کام آپ خود کرتے تھے اور یہی آپ کا ذریعہ معاش تھا۔

نیشاپور کا دوسرا ہنگامہ

ابھی دو سال ہی گذرے تھے کہ سلطان محمود سلجوقی کے عہد میں ایک اور ہنگامہ نیشاپور میں برپا ہوا۔ یہ ہنگامہ اہل شہر کی خانہ جنگیوں اور تاتاریوں کی معرکہ آرائیوں کا نتیجہ تھا نیشاپور ایک بار پھر تباہی اور بربادی کے حوالے کر دیا گیا۔ محلوں میں آگ لگائی گئی۔ مساجد اور مدارس جلا کر خاک سیاہ کر دئے گئے۔ امام الحرمین ابوالمعالی جوینی کا مکان بھی تباہ کر دیا گیا۔ غرضکہ ہولناک تباہی و بربادی کا ایک خوفناک منظر نیشاپور پر پھر طاری ہو گیا۔

ان تمام واقعات نے جو بچپن سے ابتک ایک سلسلہ وار ترتیب سے ظہور میں آئے تھے۔ خواجہ صاحب کے قلب پر عجیب و غریب اثرات چھوڑے تھے لیکن اس ہنگامہ نے خواجہ صاحب کی زندگی کا ایک نیا پہلو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد سے خواجہ صاحب نے اپنی زندگی کی دوسری منزل میں قدم رکھا۔

دوسری منزل

(عشق الٰہی کا چرکہ۔ ترک دنیا۔ پہلا سفر تحصیل علوم۔ خواجہ عثمان سے بیعت۔ مریدی کی حقیقت پر ایک نظر پیر کی تربیت۔ ڈہائی سال پیر کی خدمت و ریاضت۔ مرشد سے رخصت۔ ازالۂ غلط فہمی)

عشق الٰہی کا چرکہ

خراسان کے جس شہر میں خواجہ صاحب کا باغ تھا وہیں ایک بزرگ بھی رہتے تھے جو "ابراہیم قندوزی" کے نام سے مشہور تھے۔ یہ بزرگ مجذوب تھے۔ اسلئے کہ جوش وحدت اور عشق حقیقی کے جذبات نے ان پر خود فراموشی کی حالت طاری کردی تھی ان کو دنیا کے جھگڑوں اور واقعات سے دلچسپی نہ تھی۔ ایک دن یہی بزرگ پھرتے پھراتے اتفاقیہ خواجہ صاحب کے باغ میں آنکلے خواجہ صاحب مہمان نواز تو واقع ہوئے ہی تھے۔ بزرگ صورت دیکھکر دوڑے۔ ہاتھ چومے اور ہاتھوں ہاتھ لاکر ایک سایہ دار درخت کے نیچے بٹھایا۔ تازہ انگوروں کا ایک خوشہ پیش کیا اور مؤدب بیٹھ گئے۔ وہ بزرگ بھی صاحب ذوق۔ سنجیدہ اور اہل نظر تھے ایک نگاہ میں خواجہ صاحب کو تاڑ گئے۔ انکو اپنے مطلب کا آدمی پایا۔ زمانہ کے واقعات پہلے ہی اسباب فراہم کرچکے تھے اور گوناگوں حادثات نے خواجہ صاحب میں اہلیت اور تجربہ پیدا کردیا تھا۔ کہتے ہیں کہ بزرگ نے اپنی کشکول سے کہل کا ایک ٹکڑا نکالا اور اسکو چبا کر خواجہ صاحب کے منہ میں ڈالدیا۔ اسکا حلق

سے اثر نا تھا کہ خواجہ صاحب نے اپنے آپکو کسی اور زینہ پر چڑھتے ہوئے پایا۔ قلب کی کیفیت میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گیا۔ آپکی زندگی نے دوسرا پلٹا کھایا۔ یہہ گویا عشق الٰہی کا پہلا چرکہ تھا جو خواجہ صاحب کے دل پر لگا۔

ترک دنیا

وہ کھل کا ٹکڑا کیا تھا؟ اس شہنشاہ کون و مکان کا ایک پیغام تھا جسنے آن واحد میں خواجہ صاحب کی حالت دگرگوں کردی وہ بزرگ تو کھل کا ٹکڑا کھلا کر رخصت ہو گئے اور ادہر خواجہ صاحب نے کسی سے کچھہ کہا نہ سنا چپ چاپ تمام اثاثہ فروخت کر کے فقرا و مساکین کو تقسیم کیا اور توکلت علی اللہ چل کھڑے ہوئے۔ خواجہ بزرگ جو آجتک دنیاداری کے سینکڑوں افکار میں مبتلا تھے آج تمام تفکرات سے آزاد ہو کر صرف ایک کے خیال میں مست تن تنہا چلے جا رہے ہیں۔

پہلا سفر تحصیل علوم

تارک دنیا ہو کر خواجہ بزرگ نے مشرق کی راہ لی اور سمرقند و بخارا پہونچکر قیام کیا۔ یہہ مقامات اس زمانہ میں علم و فضل کے مرکز تھے اور طلبہ دور دراز سے یہاں تحصیل علوم کے لئے آیا کرتے تھے سب سے پہلے آپنے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا پھر تفسیر۔ حدیث۔ فقہ اور دوسرے دینی علوم میں دستگاہ بہم پہونچائی۔ تاریخوں سے اس تفصیل کا پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے کس مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اور کس عالم کو آپ کے اُستاد ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ ہمیں تلاش و جستجو کے بعد صرف یہ معلوم ہو سکا ہے کہ آپ نے مولانا محمد حسام بخاری سے بھی کچھہ پڑھا ہے۔ بخارا میں تحصیل علوم سے فارغ ہو کر خواجہ صاحب نے آگے بڑہنے کا قصد کیا اور نیشاپور و خراسان ہوتے ہوئے عراق جا رہے تھے کہ راستہ میں نواح نیشاپور میں موضع ہارون پہونچے۔

خواجہ عثمان سے بیعت

موضع ہارون میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی جو اس

عہد کے بزرگان کامل سے تھے مقیم تھے خواجہ صاحب کو انکی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ آپ کو پہلے ہی ایک ایسے بزرگ کی تلاش تھی جو راہ سلوک و معرفت میں آپکی رہنمائی کر سکتا۔ آپکی متلاشی آنکھوں سے ابتک ایسا مرد کامل نہیں گذرا تھا۔ خواجہ صاحب کچھ روز تک خواجہ عثمان کی صحبت میں رہے اور دن بدن انکی عقیدت کا جذبہ آپ کے دل میں ترقی کرنے لگا۔ ایسے زمانہ میں جبکہ خونریزیوں اور ہنگاموں نے اہل اللہ کا قحط کر دیا تھا۔ خواجہ نے شیخ کی ملاقات کو اپنی خوش نصیبی پر محمول سمجھا اور ایک روز انکی خدمت میں حاضر ہو کر اسبات کی استدعا کی کہ شیخ عثمان ان کو بھی اپنے عقیدتمندوں میں شامل کرلیں۔ خواجہ عثمانؒ نے دیکھا کہ گوہر قابل ہے۔ بیعت لی اور اپنے سلسلہ میں داخل کر لیا۔

مریدی کی حقیقت پر ایک نظر

آجکل بیعت لینے کا جو طریقہ رائج ہے وہ زمانہ قدیم سے بہت کچھ مختلف ہے۔ آجکل جو طریقہ جاری ہے وہ صرف اگلے زمانہ کی ایک نقل ہے ورنہ اس سے بیعت کا اصل منشا مفقود ہے۔ اس زمانہ میں بیعت لینے کے بعد پیر کے لئے پہلا کام یہہ تھا کہ وہ مرید کو اسکے تمام فرائض سے آگاہ کرے اور اوسکو تربیت دے۔ اسیطرح مرید کیلئے ضروری تھا کہ وہ پیر کے تمام احکام کی بجاآوری اور خدمت میں بجان و دل ساعی ہو لیکن آجکل طریقۂ بیعت ضرور رائج ہے مگر اس کا حقیقی منشا غائب ہے۔ اس زمانہ کے طریقہ بیعت پر نظر ڈالنے کے لئے ہم خود خواجہ صاحب کے الفاظ میں اُن کے خواجۂ عثمان ہارونی سے بیعت ہونے کا واقعہ نقل کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"میں ایک ایسی صحبت میں جسمیں بڑے بڑے واجب التعظیم بزرگ اور مشائخ اور اہل دل جمع تھے نہایت ادب و انکسار سے حاضر ہوا۔ اسوقت حضرت مرشد نے فرمایا کہ دو رکعت نماز

ادا کرو میں نے تعمیل ارشاد کی۔ پھر حکم ہوا کہ روبقبلہ بیٹھو تو میں روبقبلہ ہو کر بیٹھا۔ ارشاد ہوا کہ سورۂ البقر پڑھو۔ میں نے خلوص و عقیدت کے ساتھ پوری سورہ پڑھی۔ پھر ارشاد ہوا کہ ساٹھ بار کلمۂ سبحان اللہ کہو میں نے اسکی بھی تعمیل کی۔"

اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ آجکل کی رسم بیعت زمانۂ قدیم کی رسم بیعت سے کسقدر مختلف ہے اور ایک پیر پر کسقدر ذمہ داریاں عائد ہیں۔

پیر کی تربیت

سلسلۂ ارادت میں داخل ہو کر خواجۂ بزرگ کامل ڈھائی سال تک اپنے پیر کی خدمت میں رہے۔ یہ تمام زمانہ پیر کی خدمت اور حصول تربیت میں گذرا۔ اور خواجہ صاحب ریاضت و مجاہدہ سے فیوض روحانی حاصل کرتے تھے۔ اس ڈھائی سال کے عرصہ میں خواجہ صاحب نے جو ریاضتیں اور مجاہدے کئے انکی حالت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ نے خواجہ قطب الدین بختیارؒ کی روایت سے بیان کی ہے۔ بابا فرید فرماتے ہیں:

"خواجۂ ہند نے اپنی ریاضت کے ابتدائی زمانہ میں کچھ ایسے طریقہ سے جہاد نفس کیا کہ لوگوں کو محو حیرت کر دیا اور ریاضت کا وہ طریقہ اختیار کیا کہ اسکی نظیر عارفان حقیقت کے زمرہ میں مشکل سے ملیگی۔ آپ لگاتار سات سات دن تک روزہ رکھتے اور صرف پانچ مثقال کی ٹکیہ سے روزہ افطار کرتے۔"

آپ کے لباس کا بھی یہی حال تھا۔ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ:۔

"آپ صرف ایک چادر اوڑھے رہتے تھے جب وہ کہیں سے پھٹ جاتی تو اسی کو سیلیتے۔"

مرشد سے رخصت

غرض کمالات باطنی کی تکمیل اور رموز حقیقت سے پورے طور پر واقفیت حاصل کر لینے کے بعد حضرت خواجہ نے ۱۰ شوال ۶۰ھ کو بروز جمعرات اپنے پیر سے اجازت چاہی اور حصول اجازت کے بعد سفر اختیار کیا حضرت

خواجہ کی زندگی کا دوسرا دور یہاں ختم ہوگیا۔ اور یہاں سے آپکی زندگی کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔

غلط فہمی بعض مورخین لکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب تیس سال تک پیر کی خدمت میں رہے لیکن یہ روایت مستند نہیں ہے۔ ترتیب سنین اور واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صرف ڈھائی سال تک حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی خدمت میں رہے۔

تیسری منزل

(سفر حج۔ شیخ نجم الدین کبریٰ۔ بغداد کا قیام۔ خلافت بغداد کا نیا دور۔ بغداد کی صحبتیں۔ خواجہ قطب الدین کا عزم ہمدان۔ سفر تبریز۔ اصفہان۔ فرقان و استرآباد۔ ہرات۔ سبزوار۔ یادگار محمد کا تائب ہونا۔ یادگار محمد کی بیعت۔ سفر بلخ۔ ضیاء الدین فلسفی حکیم کی توبہ۔ غزنی کی ملکی حالت۔ غزنی پر تاتاریوں کا حملہ)

سفر حج اپنے پیر سے رخصت ہوکر خواجہ صاحب نے حج کی غرض سے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور دمشق ہوتے ہوئے حجاز پہونچے۔ مکہ معظمہ پہونچکر آپ نے فریضۂ حج ادا کیا اور وہاں سے مدینہ منورہ میں روضۂ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے زیارت روضۂ نبوی سے فارغ ہوکر آپ کچھ عرصہ وہاں ٹھہرے اور پھر سیر و سیاحت کیلئے چل کھڑے ہوئے یہاں سے آپ نے بغداد کا قصد کیا آپکا یہ سفر ہی اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل نیا تھا۔ اسلئے کہ آپ سیدھے بغداد نہیں گئے بلکہ راستہ میں جہاں جہاں صاحب نسبت بزرگوں کی خانقاہیں پڑیں آپ وہاں ٹھہرے اور مشائخ کبار کی صحبتوں سے فیض حاصل کرتے ہوئے بغداد پہونچے۔

شیخ نجم الدین کبریٰ اس سفر میں بغداد سے سات میل پر موضع سنجار میں خواجہ

صاحب نے شیخ نجم الدین کبریٰ سے ملاقات کی اور کچھ عرصہ تک انکی پرلطف صحبت میں رہے جس زمانہ میں آپ بغداد پہونچے تو وہاں ہر طرح کے کاملین کا اجتماع تھا اور یہ شہر کمالات کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔

بغداد کا قیام

بغداد پہونچکر خواجہ صاحب نے جامع بغداد میں قیام فرمایا۔ یہاں آپ کے گرد مقامی علما۔ صوفیا اور مشائخ کا مجمع ہر وقت رہتا تھا اور سلوک و معرفت پر گفتگو و تبادلۂ خیالات ہوتا رہتا۔ چنانچہ آپکی صحبتوں کے واقعات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے آپ کے ملفوظات میں بیان کئے ہیں جو دلیل العارفین کے نام سے مشہور ہے۔

جس زمانہ میں آپ بغداد میں مقیم تھے وہ خلیفہ المستنجد باللہ ابو المظفر یوسف بن المقتفی الامر اللہ عباسی کی خلافت کا دور تھا۔ یہ خلیفہ ۵۵۵ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ لیکن اس عہد میں خلافت بہت کمزور تھی اور خلیفہ شاہ شطرنج سے زیادہ بااختیار نہ تھا۔ سلطنت کا تمام انتظام وزرا اور امرار کے ہاتھوں میں تھا اور حقیقی معنوں میں وہی تمام سیاہ و سفید کے مالک تھے خلیفہ المستنجد باللہ کا وزیر عقید الدین ابو الفرج بھی کاروبار سلطنت پر اسقدر حاوی تھا کہ خلیفہ کی اسکے سامنے کچھ نہ چلتی تھی۔ آخر تنگ آکر خلیفہ نے یہی مناسب سمجھا کہ اوسکو کسیطرح وزارت سے علیحدہ کرکے کسی دوسرے شخص کو وزیر مقرر کرے۔ خلیفہ اس کوشش میں کامیاب ہوا اور ۵۶۳ھ میں ایک دوسرے شخص شرف الدین ابو جعفر کو عہدۂ وزارت پر مامور کیا۔

خلافت بغداد کا نیا دور

۵۶۴ھ سے خلافت بغداد کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہی مسلمانوں کی پہلی خلافت ایشیا میں قایم ہوئی۔ اور پہلے خلفا بنو عباس سے تھے لیکن کچھ زمانہ کے بعد خلافت عباسیہ کے دو رقیب بھی پیدا ہوگئے تھے (۱) بنو امیہ۔ جنہوں نے اندلس میں خلافت کا دعویٰ کیا اور ایک زبردست سلطنت کی

بنیاد ڈالی۔ (۲) بنو فاطمہ۔ جنہوں نے مصر میں خلافت کا علم بلند کیا۔ مصر کی خلافت دولت عبیدیئین بھی کہلاتی ہے۔ اور چونکہ اسکے خلفا فرقہ اسمٰعیلیہ کے پیرو تھے اسلیئے لوگ اسکو اسمٰعیلی خلافت بھی کہتے ہیں۔

بغداد کی خلافت عباسیہ کچھ تو واقعات زمانہ اور اندرونی پیچیدگیوں سے کمزور ہوئی اور کچھ ان حریف طاقتوں کی نبرد آزمائیوں نے اسکو ضعف پہونچایا۔ جس وقت خواجہ صاحب بغداد پہونچے تو خلافت عباسیہ بہت نازک دور سے گذر رہی تھی۔ بنو امیہ کی خلافت سے تو اسکو زیادہ خطرہ نہ تھا لیکن مصر کی خلافت بنو فاطمہ بہت زوروں پر تھی اور دولت اندلس کی نسبت دولت عباسیہ سے قریب تر تھی اور اسی سلئے دولت عباسیہ کے لئے خطرناک بھی تھی۔ اسکا ایک دور وہ بھی تھا جب ایشیا کی اسلامی ریاستیں شام، فلسطین اور عرب ہی نہیں بلکہ دنیا کی دول عظمیٰ بھی اسکے دبدبہ و رعب سے لرزہ براندام تھیں۔ اور یہ خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ کہیں یہ سیلاب بڑھتے بڑھتے ایک روز بغداد پہونچکر خلافت عباسیہ کا خاتمہ نہ کردے لیکن ۵۶۴ھ نے واقعات کی رو بدلدی اور اسی سال سے بنو فاطمہ کا زوال اور بنو عباس کا دوبارہ عروج شروع ہو گیا۔ اس سال بنو فاطمہ کا قابل ترین وزیر قتل کیا گیا اور سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس کے چچا اسد الدین شیر کوہ نے مصر پر قبضہ کرلیا۔ اسد الدین شیر کوہ خلافت بنو عباسیہ بغداد کا حامی تھا اور اسکو نہایت عقیدت تھی۔ اسی تاریخ سے بنو عباس کا عروج شروع ہو گیا اسلئے کہ ۵۶۳ھ میں خلیفہ نے وزیر کا تقرر تو کرہی چکا تھا اب ایک طاقتور حکمراں بھی اسکی پشت پناہ بن گیا۔

بغداد کی صحبتیں

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ بغداد میں خواجہ صاحب کے زمانۂ قیام میں اہل علم اور اہل دل حضرات کی بڑی بڑی پر لطف صحبتیں رہیں

یہیں آپ روزانہ جامع مسجد میں بیٹھکر لوگوں کو سلوک و معرفت کے نکات و حقائق کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان صحبتوں میں اسوقت کے جو بزرگ شامل ہوتے رہتے تھے ان کے نام یہہ ہیں:۔

(۱) شیخ اوحدالدین کرمانی	(۶) شیخ تاج الدین محمد اصفہانی	(۱۱) شیخ سیف الدین باخرزی
(۲) شیخ شہاب الدین سہروردی	(۷) مولانا بہاؤالدین بخاری	(۱۲) شیخ جلال
(۳) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی	(۸) شہاب الدین محمد بغدادی	(۱۳) شیخ علی سنجری
(۴) شیخ داؤد کرمانی	(۹) مولانا عماد الدین بخاری	(۱۴) شیخ واحد برہان غزنوی
(۵) شیخ برہان الدین محمد چشتی	(۱۰) خواجہ اجل شیرازی	(۱۵) خواجہ سلیمان عبدالرحمن

شیخ اوحدالدین کرمانی جو ابھی منزل عرفان کی ابتدائی منزلیں طے کر رہے تھے اور کسی مرد کامل کی تلاش میں تھے خواجۂ بزرگ کی صحبت سے فیضیاب ہوکر آپکے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے آرزومند ہوئے۔ خواجہ صاحب نے اُن سے بیعت لی اور خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ شیخ کرمانی اپنے وقت کے ایک بڑے پایہ کے بزرگ گذرے ہیں اور اس نواح میں انہوں نے بیشمار گمراہوں کو نور اسلام سے بہرہ ور کرکے راہ ہدایت دکھلائی۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

خواجۂ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ سرہ العزیز بھی بغداد ہی میں آپ سے بیعت ہوئے۔

بعض مورخین کا یہہ بیان کہ خواجۂ قطب نے آپ سے اصفہان میں بیعت کی سراسر غلط ہے اس باب میں سب سے زیادہ مستند بیان خود خواجۂ قطب الدین علیہ الرحمۃ کا ہے۔ آپ دلیل العارفین میں فرماتے ہیں کہ:۔

بپنجشنبہ کے روز یہ فقیر نحیف وضعیف آستان بوس بارگاہ حضرت ملک المشائخ سلطان السالکین۔

قطب الدین بختیار کاکی اوشی اوس شاہ فلک دستگاہ (خواجہ بزرگ) کی قدمبوسی کیلئے بغداد میں امام ابو اللیث سمرقندی کی مسجد میں حاضر ہوا اور اسی وقت شرف بیعت سے مشرف ہوا۔ حضرت خواجہ ناصر صفیا نے اس ضعیف کو کلاہ چار ترکی مرحمت فرمایا۔ اس روز شیخ شہاب الدین سہروردی۔ اور شیخ داؤد کرمانی و شیخ برہان الدین چشتی و شیخ تاج الدین محمد صفا ہانی وغیرہ بھی مجلس میں حاضر تھے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی کا بھی یہ ابتدائی زمانہ تھا اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بغداد کی صحبتوں میں وہ بھی خواجہ صاحب کے فیوض روحانی و برکات معرفت سے مستفیض ہوئے۔

عزم ہمدان

بغداد میں کافی زمانہ کے قیام کے بعد خواجہ صاحب کی طبیعت اُچاٹ ہوگئی۔ آپ نے ہمدان کا قصد کیا۔ ہمدان پہونچکر خواجہ صاحب نے شیخ یوسف ہمدانی سے ملاقات کی۔ ہمدان میں آپ نے زیادہ قیام نہیں کیا۔ آپ یہاں کچھ روز رہے اور یہاں سے تبریز کی جانب روانہ ہوئے۔

سفر تبریز

خواجہ صاحب تبریز پہونچے۔ یہاں ایک بزرگ خواجہ شیخ ابو سعید تبریزی سے ملے جو اس زمانہ کے عارفان کامل اور مشاہیر صوفیا میں تھے۔

چند روز تک خواجہ صاحب شیخ تبریزی کی بابرکت صحبت میں رہکر بہرہ اندوز ہوئے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی ابو سعید تبریزی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"شیخ ابو سعید تبریزی بڑے مرتبہ کے بزرگ اور بڑے اہل اللہ تھے۔ یوں تو انکے مریدوں اور حلقہ بگوشوں کی تعداد ہزاروں تک پہونچتی ہے لیکن ستر مرید اس درجہ اور کمال کے تھے کہ انمیں سے ہر ایک کو ولایت کا درجہ حاصل تھا۔ ان میں سے ایک ایک مراحل عرفان و منازل حقیقت طے کر چکا تھا۔ ہر ایک حقیقت کا آگاہ تھا اور ہر ایک رموز ربانی کا ماہر داستان تھا۔ ان میں سے ہی ایک جلال الدین تبریزی بھی ہیں جو اہل معرفت و اہل حقیقت میں بیحد مشہور ہیں۔

اصفہان

تبریز سے چلکر خواجہ بزرگ اصفہان پہونچے۔ اصفہان میں شیخ محمود اصفہانی ایک صاحب نسبت بزرگ تھے۔ خواجہ صاحب نے اُنسے ملاقات کی۔ ابتدائی ملاقات ہی دونوں کے لئے پرلطف تھی۔ بہت دیر تک نکات معرفت پر گفتگو ہوتی رہی۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی یہیں خواجہ بزرگ سے ملے اور بیعت سے سرفراز ہوئے۔ لیکن جیسا کہ ہم بتلا چکے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ خواجہ قطب الدین کچھ عرصہ تک شیخ محمود اصفہانی کی خدمت میں رہے ہوں۔ لیکن خواجہ صاحب سے سب سے پہلے یہاں ملنا اور بیعت کرنا صحیح نہیں ہے۔

خرقان واستر آباد کا سفر

آپ نے اصفہان میں کچھ روز قیام فرمایا اور پھر خرقان کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ نواح خرقان میں دو سال تک آپکا قیام رہا اور آپ برابر لوگوں کو ہدایت کرتے رہے اور سیکڑوں گم کردہ راہ لوگوں کی راہ نمائی کی۔ یہاں سے آپ استر آباد گئے۔ اور وہاں ایک ولی کامل شیخ ناصر الدین استر آبادی کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے۔ شیخ ناصر الدین وہ بزرگ تھے جن کا سلسلۂ بیعت دو طریقوں کے بعد حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ جیسے قطب زمانہ سے ملتا ہے۔ خواجہ صاحب انکے کمالات پر گرویدہ ہوگئے۔ عرصہ تک انکی صحبت میں رہے اور اکتساب فضل وکمال میں مصروف رہے۔

ہرات

شیخ ناصر الدین کے فیض صحبت سے سیراب ہوکر خواجہ صاحب ہرات پہونچے ہرات میں آپ نے ایک اور دستور اختیار کیا دن بھر تو آپ ادھر ادھر پھرتے رہتے اور صنعت کائنات کا مطالعہ فرمانے میں مصروف رہتے اور شب کے وقت خواجہ عبداللہ انصاری کے مزار پر پہونچکر تمام رات عبادت میں گذارتے اور صبح کی نماز عشا کے وضو سے ادا کرتے

ابھی ہرات میں آپکو زیادہ عرصہ بھی نہیں گذرا تھا کہ آپکی شہرت عام ہوگئی۔ اور لوگ جوق درجوق آپکی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ لوگوں کا اژدہام یہاں تک بڑھنے لگا کہ آپ کو تمام دن فرصت نہیں ملتی تھی۔ آخر آپ اس ہجوم سے تنگ آگئے اور آپ نے ہرات کو خیرباد کہا۔

سبزوار

ہرات سے روانہ ہوکر آپ سبزوار پہونچے۔ اسوقت سبزوار کا حاکم ایک شخص یادگار محمد تھا اس شخص کا نام دراصل یادگار علی تھا اور یہ فرقۂ ملاحدہ میں سے تھا۔ عام سنی مسلمانوں کو اسکے ہاتھوں بڑی بڑی ایذائیں پہونچی تھیں۔ اسکے علاوہ یہہ بڑا فاسق وفاجر تھا اور رات دن رقص وسرود میں محو رہتا تھا۔ اُسنے اپنی سیر وتفریح کیلئے شہر سے باہر ایک دلفریب باغ تعمیر کرایا تھا۔ خواجہ صاحب جو دور و دراز سے چلے آرہے تھے اس باغ میں پہونچے۔ حوض کے کنارے جاکر دم لیا۔ سفر کی تکان تھی چہرہ راستہ کی گرد وغبار سے آلودہ تھا۔ آپ نے حوض میں غسل کیا اور دوگانہ ادا کرکے تلاوت کلام مجید میں مصروف ہوگئے یہی وقت یادگار محمد کے باغ میں آنیکا تھا۔ انتظامات شروع ہوئے۔ فراش آئے انکی جرأت نہوئی کہ خواجہ صاحب سے مزاحمت کرتے آپ کے قریب ہی فرش وقالین بچھاکر چلے گئے اور آپ بدستور تلاوت میں مصروف رہے۔ جب یادگار محمد پہونچا تو اسنے دیکھا کہ ایک بزرگ تلاوت میں مصروف ہیں اور اسکی آمد نے بھی ان کے انہماک وشغل میں کچھہ خلل نہیں ڈالا تو وہ بہت خفا ہوا اور نہایت غصہ کے لہجہ میں اپنے ملازمین سے کہنے لگا کہ اس فقیر کو باغ میں کیوں داخل ہونے دیا۔ خواجہ صاحب نے اسکی یہ برہمی اور سخت گفتگو سنکر نگاہ اٹھائی اور یادگار محمد کی طرف دیکھا۔ اس ایک نظر میں نہ معلوم کیا عظمت وجلال پوشیدہ تھا کہ یادگار محمد کانپ اُٹھا اور فرط خوف سے تھرتھر کانپنے لگا۔

یادگار محمد کا تائب ہونا

یادگار محمد اپنے تمام اگلے پچھلے گناہوں سے تائب ہوا

اُسنے خواجہ بزرگ سے اپنی گستاخی کی معافی چاہی تو آپ نے نہایت نرم لہجہ میں اسکو بہت سی نصیحتیں کیں اور بہت پیار و محبت سے اسکو سمجھایا۔ خدا کی قدرت کہ آن واحد میں اس شخص کو جو روز اول سے فسق و فجور میں مبتلا تھا نشۂ حقیقت سے سرشار کر دیا ؎

جادو نگھے از اثر چشم سیہ مست
پیمانۂ مے و مے پیمانہ فروشد
(معنی اجمیری)

یادگار محمد کا بیعت ہونا

خواجۂ بزرگ کے عارفانہ اقوال سے متاثر ہو کر یادگار محمد نے وضو کیا اور بارگاہ خداوندی میں دوگانہ ادا کر کے بہت منت و زاری سے اپنے گذشتہ افعال کی معافی چاہی۔ اور پھر خواجہ صاحب کی بیعت کیلئے ہاتھ بڑہائے۔ آپ نے اسکو مرید کر کے اپنے حلقہ ارادت میں داخل کیا۔ آپکی صحبت میں رہکر یادگار محمد پکا دیندار مسلمان بنگیا۔ اُسنے ایک روز اپنے تمام مال و اسباب کی فہرست تیار کر کے خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کی کہ آپ اسکو قبول فرمالیں لیکن ؎

کیا ہوا اے معنیؔ مجھے اسباب دنیا کی ہوس
کُنت کنزاً مخفیاً کا جب دفینہ دلمیں ہے

دنیا کا مال و اسباب تو آپ خود ہی فقرا و مساکین کو دیچکے تھے جسکے پاس دولت ایمان توحید ہو وہ دنیا کے مال و اسباب کی کیا حقیقت سمجھے آپنے اسکو قبول کرنے سے قطعاً انکار کر دیا اور حکم دیا کہ ان میں سے جو اشیائے تم نے بہ جبر لوگوں سے حاصل کی ہیں۔ وہ انکے مالکوں کو واپس پہونچا دو اور بقیہ تمام سامان محتاج و مساکین کو تقسیم کر دو۔ آپ کے ارشاد کی تعمیل کی گئی اور وہ سامان مستحقین میں تقسیم کر دیا گیا۔ یادگار محمد دن رات خواجہ

صاحب کی صحبت میں رہنے لگا اور آپکی خدمت کرتا رہا۔ جب آپ سبزوار سے رخصت ہوئے تو علاقہ حصار تک آپ کے ہمراہ لگا چلا آیا۔ یہاں خواجہ صاحب نے اسکو مشورہ دیا کہ اب تم واپس لوٹ جاؤ اور اسی علاقہ میں لوگوں کو دین حق کی تعلیم دو اور تشنہ کامان ہدایت کو اسلام کی تعلیمات سے سیراب کرو۔ وہ آپ کے ارشاد پر واپس لوٹ گیا اور جب تک زندہ رہا اسلام کی شمع ہدایت سے لوگوں کے دلوں کی تاریکیوں کو منور کرتا رہا۔

سفر بلخ

علاقہ حصار سے خواجہ صاحب بلخ میں آئے۔ بلخ میں خواجہ صاحب بمقام جائی فرجام شیخ احمد حصرویہ کی خانقاہ میں مقیم ہوئے اس گرد و نواح میں یہ خانقاہ بہت مشہور اور مقدس جگہ تھی اور بیشمار آدمی حصول فیض و برکت کی غرض سے یہاں ہمیشہ آتے رہتے تھے۔ خواجہ صاحب یہاں چند روز تک مقیم رہے۔ اسی اثنا میں آپ کے ساتھ ایک عجیب واقعہ گذرا۔

ضیاء الدین فلسفی

خواجہ صاحب کا دستور تھا کہ سفر میں ہمیشہ تیر و کمان اور چقماق و نمکدان اپنے ساتھ رکھتے تھے تاکہ ضرورت کے وقت شکار کرکے کھانا تیار کرسکیں۔ ایک روز آپ شکار کے لئے نکلے تو جنگل میں بہت دور چلے گئے اور ایک گاؤں کے قریب پہونچے۔ یہ گاؤں ایک حکیم کا مسکن تھا جو ضیاء الدین فلسفی کے نام سے مشہور تھا۔ یہ شخص اس عہد کا ایک نامور حکیم و فلسفی تھا اور تمام علوم ظاہری میں ید طولیٰ رکھتا تھا فلسفہ و منطق کا عالم متبحر تھا لیکن تصوف سے اسکو عقیدت نہیں تھی۔ صوفیوں اور درویشوں کو وہ نہایت نامناسب اور سخت الفاظ میں یاد کیا کرتا تھا۔ اس گاؤں میں اُسنے ایک مدرسہ تعمیر کیا تھا جسمیں وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ رہتا تھا اور یہیں فلسفہ و حکمت کا درس دیتا تھا۔ غرضکہ خواجہ صاحب اس گاؤں کے قریب پہونچے تو ایک کلنگ کو شکار کیا اور اسکو تیار کرنے لگے کہ اتنے میں وہ حکیم

بھی آپھونچا۔ تھوڑی دیر میں کلنگ کا گوشت تیار ہوگیا۔ خواجہ صاحب نے ایک ران توڑ کر حکیم کے سامنے رکھدی اور دوسری کو خود کھانا شروع کیا۔ کہتے ہیں کہ وہ ران کھاتے ہی حکیم کے ذہن سے فلسفہ و حکمت کے مسائل محو ہونے شروع ہوگئے۔ اور اسپر ایک کیفیت سرور طاری ہوئی یہ حالت دیکھکر خواجہ صاحب نے اپنے منہ سے ایک گوشت کا ٹکڑا نکالکر اسکے منہ میں ڈالدیا۔ پھر کیا تھا۔ اسکے قلب کی سیاہی نور سے بدل گئی۔

حکیم کی توبہ

حکیم نے اپنے گذشتہ اقوال و افعال سے توبہ کی اور اپنے تمام شاگردوں کے ساتھ خواجہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوا۔ یہ واقعہ بہت اہم تھا۔ اوسکی شہرت تمام بلخ میں ہوگئی۔ ہر جگہ یہی چرچا تھا اور بچہ بچہ کی زبان پر یہی ذکر۔ اب جو سنتا ہے خواجہ صاحب کے دیدار کا شایق آپکی خدمت میں چلا آتا ہے۔ آپکی قیام گاہ پر دن رات ایک میلہ سا لگا رہنے لگا۔ جب آپ نے دیکھا کہ اس مجمع سے اوقات میں ہرج ہوتا ہے تو آپ نے وہاں زیادہ قیام مناسب نہ سمجھا۔ حکیم ضیاء الدین کو جسنے ابتک آپکی صحبت میں کافی تربیت حاصل کرلی تھی خرقہ خلافت عطا کیا اور غزنین کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔

غزنی کی ملکی حالت

آپ ۵۸۵ھ اور ۵۸۶ھ کے درمیانی زمانہ میں غزنی پہونچے۔ اس زمانہ میں حکومت بلخ اور دولت غزنی کے تعلقات بہت نازک تھے۔ بلخ تاتاریاں غزوہ کے ظلم و ستم کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اور یہ وہی زبردست طاقت تھی جس سے اس زمانہ کی کوئی سلطنت عہدہ برآ نہیں ہوسکتی۔ ان لوگوں نے جدہر کا رخ کیا آگ و خون کی ہیبتناک بارش اور لاشوں کے انبار ان کے ساتھ تھے۔ بڑی بڑی سلطنتیں ان کے جبروت و جلال کے سامنے کانپ رہی تھیں۔ چونکہ غزنی کے باشندے تنگ آچکے تھے۔ غزنی

اس باجبروت بادشاہ کی یادگار ہے جسنے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے سرکشوں کو نیچا دکھایا۔ کون نہیں جانتا کہ غزنی کی شہرت اور ترقی سلطان محمود غزنوی کے دم سے ہوئی۔ ہندوستان کی بیشمار دولت جو سلطان محمود اپنے مختلف حملوں میں یہاں سے لیگیا صرف غزنی کی ترقی و آرائش میں صرف ہوئی۔ عہد محمودی میں غزنی نہ صرف دولت سے مالامال ہوا بلکہ وہاں ہر طرح کے کملائے فن کا بھی اجتماع ہوگیا اور غزنی بھی علوم و فنون کا مرکز سمجھا جانے لگا محمود غزنوی کے بعد دو ایک جانشینوں تک تو حالت ٹھیک رہی لیکن پھر سلطنت کمزور ہوتی چلی گئی۔ اسی عرصہ میں ایک نئی طاقت کا ظہور ہوا جسنے بڑھتے بڑھتے دولت غزنوی پر بھی قبضہ جمالیا۔ اور اب خاندان غوری کی حکومت ہوگئی۔

جسوقت خواجۂ بزرگ غزنی پہونچے تو خسرو شاہ جو چھٹی پشت میں سلطان محمود کا جانشین تھا انتقال کر چکا تھا اور اسکا لڑکا سریر سلطنت کا مالک تھا۔ اسکی تخت نشینی کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد علاؤالدین غوری نے غزنی پر حملہ کر کے اسکا محاصرہ کرلیا حالات نامساعد تھے اسلئے وہ محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہوا۔ موسم سرما اور برف کی شدت کے باعث اسکا لشکر سخت پریشان ہوا اور فوج میں بددلی پھیلنے لگی اسلئے علاؤالدین نے بھی مناسب سمجھا کہ محاصرہ اٹھالیا جائے اور ایکسال مزید انتظام کرنے کے بعد مناسب وقت میں حملہ کیا جائے۔ علاؤالدین بے نیل مرام واپس لوٹا اور آئندہ سال وہ فوج کشی کرتا لیکن قضا نے مہلت نہ دی ع

من درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال

۵۵۶ھ میں اسکا پیمانۂ حیات لبریز ہوگیا۔ علاءالدین کے بعد اسکا لڑکا سیف الدین حسین تخت نشین ہوا۔ یہ ایک ناتجربہ کار بیس سالہ نوجوان تھا اسکے دل میں امنگیں بڑی بڑی تھیں لیکن تجربہ نہ تھا۔ اُسنے سوچا کہ پہلے تاتاریوں کو زیر کرنا چاہیئے اور اُنسے نبٹ کر غزنی

کو سنبھالوں گا چنانچہ اسی خیال سے تاتاریوں پر حملہ کر دیا سیف الدین نے تاتاریوں کے مقابلہ کے لیئے ایک لشکر جرار جمع کیا اور ۵۸۵ھ میں ان پر حملہ کیا۔ میدان جنگ میں گھمسان لڑائی ہو رہی تھی کشت و خون کا بازار گرم تھا کہ سیف الدین اپنی فوج سے ذرا علیحدہ ہوا۔ دشمن موقع کی تاک میں تھے۔ تنہا پا کر بہت سے ٹوٹ پڑے اور سیف الدین کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ فوج کو علم ہوا کہ بادشاہ مارا گیا تو پھر کس کے حواس ٹھکانے رہے۔ جدھر جسکا منہ اُٹھا بھاگ نکلا نتیجہ یہہ ہوا کہ زبردست شکست ہوئی۔ ہزاروں آدمی کام آئے اور غوریوں کا بہت نقصان ہوا۔

غزنی پر تاتاریوں کا حملہ

اس واقعہ کو ابھی ایک سال بھی نہیں گذرا تھا کہ ۵۸۶ھ میں تاتاریوں نے غزنی پر حملہ کر دیا۔ فرمانروائے غزنی ملک شاہ نے دیکھا کہ وہ تاتاریوں کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکے گا تو اپنے پایۂ تخت کو ان کے رحم پر چھوڑ کر بھاگ نکلا اور ہندوستان پہونچکر لاہور میں پناہ لی تاتاری بلا مزاحمت شہر پر قابض ہو گئے اور وہاں اپنا ایک عامل مقرر کر کے واپس لوٹے۔ ملک شاہ نے یہ سنا تو کچھ فوج جمع کر کے پہونچا۔ تاتاریوں کے عامل کو مار نکالا اور اپنے ملک پر دوبارہ قابض ہو گیا یہی پُر آشوب دور تھا جسمیں خواجہ صاحب غزنی میں مقیم تھے

شیخ عبدالواحد غزنوی

غزنی میں اسوقت ایک بزرگ شیخ عبدالواحد غزنوی تھے یہ ایک عالی پایہ درویش تھے۔ انہی کے مریدوں میں ایک صاحب نظام الدین ابو المؤید تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے اس علاقہ کے بیشمار لوگوں کو فیض ہدایت پہونچایا۔ اور آجتک اس گرد و نواح میں انہی کا شہرہ ہے خواجہ صاحب نے شیخ عبدالواحد سے نیاز حاصل کیا اور ایک عرصہ تک یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کی صحبت سے

فیض حاصل کرتے رہے۔

چوتھی منزل

(عزم ہند۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد۔ ہندوستان کی حالت خواجہ صاحب کے عہد میں قیام ہند کا ارادہ۔ عزم لاہور۔ ورود دہلی۔ خواجہ قطب الدین کو خرقۂ خلافت۔ اجمیر کا سفر اور قیام۔ رائے پتھورا کا خوف اور اسکا باعث رائے پتھورا کو دعوت اسلام۔ پتھورا کا ایک مسلمان پر تشدد۔ شہاب الدین غوری کا دوسرا حملہ سلطنت اسلامی کا عروج۔ سفر دہلی۔ نکاح عقد ثانی۔ وفات)

مسیحا یار و خضر ہمرکش رہنما و ہمعناں یوسف
فغانی۔ آفتاب من بدین اعزازمی آید

عزم ہند

غزنی سے حضرت خواجۂ بزرگ نے ہندوستان کا عزم کیا اور یہیں سے آپکی زندگی کی چوتھی منزل شروع ہوتی ہے۔ حالانکہ حضرت خواجۂ بزرگ سے قبل ہندوستان میں بہت سے مسلمان آچکے تھے لیکن جسوقت خواجہ صاحب یہاں تشریف لائے تو ہندوستان کی حالت بہت ردی ہوچکی تھی۔ اسلام کی وہ تعلیم جو محمد بن قاسم کے زمانہ میں دی گئی تھی اب لوگوں کے دلوں سے محو ہوچلی تھی اور اسمیں شک نہیں کہ درمیانی عرصہ میں سلطان محمود کے حملوں نے اسلام کی زندگی کو برقرار رکھنے میں بہت بڑا کام کیا لیکن محمود غزنوی کے حملوں کو بھی زمانہ گذر چکا تھا اور خود دولت غزنویہ کا خاتمہ ہوچکا تھا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد

سرزمین ہندوستان میں مسلمانوں کا سب سے پہلا قدم جہاں تک تاریخ سے پتہ چلتا ہے خلیفہ قاسم کے زمانہ میں سنہ ۷۱۲ء میں آیا۔ محمد بن قاسم نے سندھ کے برہمن راجہ چاہیر ج کے

لڑکے وہ میر پر حملہ کیا اور سندھ فتح کرکے ایک اسلامی ریاست قایم کردی محمد بن قاسم اس سے آگے نہیں بڑھے۔ مسلمان مجاہدین کی ایک جماعت جو محمد بن قاسم کیساتھ تھی یہیں رہ پڑی محمد بن قاسم کے اس حملہ کا اثر بقیہ ہندوستان پر نہیں ہوا۔ اور اسکے بعد تین صدی تک ہندوستان پر مسلمانوں کا کوئی حملہ نہیں ہوا لیکن سنہ ۹۸۶ء میں سلطان سبکتگین غزنوی نے پنجاب کے راجہ جے پال پر حملہ کیا اور اسکے بعد ہی ہندوستان پر مسلمانوں کے لگاتار حملے ہوتے رہے سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر کئی حملے کئے لیکن آپ نے یہاں کسی مستقل سلطنت کا قیام مناسب نہیں سمجھا۔ اپریل سنہ ۱۰۳۰ء میں سلطان محمود کا انتقال ہو گیا۔ سلطان محمود کے بعد خاندان غوریہ نے ہندوستان پر حملہ کیا اور بخلاف خاندان غزنویہ کے یہاں ایک مستقل سلطنت کی بنیاد ڈالی اور یہی تاریخ ہے جب سے ہندوستان میں مسلمانوں کے قدم جمے لیکن اسکے باوجود جو مسلمان محمد بن قاسم کے ساتھ ہندوستان آئے تھے اور یہیں اقامت گزین ہو چکے تھے وہ اپنے کام سے غافل نہیں تھے اور جہاں جہاں پہونچتے تھے تبلیغ حق سے نہ چوکتے تھے۔ چنانچہ اُس زمانہ میں بھی ہندوستان میں اکثر اکابر صوفیہ کے وجود کا پتہ چلتا ہے جو سندھ۔ پنجاب اور کشمیر میں اشاعت دین کر رہے تھے۔ یہ بات ضرور ہے کہ یہ کام صرف سرحدی ہندوستان تک محدود تھا اور وسط ہند تک نہ یہ لوگ پہونچ سکتے تھے نہ انکی تعلیمات کا وہاں اثر تھا۔ آج تاریخیں ان لوگوں کے مفصل حالات سے بھی خالی ہیں۔

ہندوستان کی حالت خواجہ صاحب کے عہد میں

جسوقت خواجہ صاحب ہندوستان پہونچے تو یہاں ایک سرے سے دوسرے سرے تک کفر و شرک کی حکومت تھی۔ ہر طرف قدیم ہندو

مذہب کے پیرو موجود تھے اور تمام ہندوستان کی سرزمین ایک عظیم الشان بتخانہ بنی ہوئی تھی۔ ہر ہندو کے سرنیاز کیلئے کروڑوں دیوتاؤں کا آستانہ تھا اور ہر دل پر ہزاروں اوہام تخیلات اور وساوس کی حکومت تھی۔ ایک تاریکی تھی جو یکسر تمام ہندوستان پر چھائی ہوئی تھی صوبہ بہار و بنگال میں خاندان پالا کے حکمران بودھ مذہب کے پیرو تھے اور اسکے علاوہ تمام مختلف صوبجات کے حکمران جینی تھے یا قدیم ہندو مذہب کے پیرو غرضکہ ہندوستان میں خواجہ صاحب نے یہ رنگ دیکھا تو آپ نے محسوس کیا کہ ہندوستان تشنہ لب ہے اور اسکو چشمہ ہدایت سے سیراب کرنا چاہیے آپ نے دور دراز ممالک کے سفر کئے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ یہاں سے زیادہ ضلالت و گمراہی کہیں نہیں ہے۔ آپ کے قلب پر ایک چوٹ لگی۔ آپ ان حالات سے متاثر ہوئے اور آپ نے یہ طے کر لیا کہ آیندہ سے اپنی سفری زندگی کو خیرباد کہکر ہندوستان میں مستقل قیام اختیار کریں اور باشندگان ہند کو ضلالت و گمراہی کے عمیق گڑھوں سے نکالیں۔

قیامِ ہند کا ارادہ عزم لاہور

یہ طے کر کے خواجہ صاحب نے لاہور کا قصد کیا آپ وہاں پہونچے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے لاہور کو اپنے کام کے لئے پسند نہیں کیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ناپسندیدگی کی وجہ کیا ہے لیکن بظاہر یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ آپ کسی ایسی جگہ کے متلاشی تھے جو وسط ہند میں ہو اور جہاں بیٹھکر ہندوستان کے تمام اطراف میں آسانی سے کام کیا جا سکے۔ ظاہر ہے کہ اس اعتبار سے لاہور مناسب مقام نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ پنجاب میں اسلام کا چرچا موجود تھا اسلئے کہ یہ صوبہ ایک مدت سے مسلمانوں کے زیر اثر تھا۔

ورودِ دہلی

لاہور سے روانہ ہوکر خواجہ صاحب دہلی پہونچے۔ اس زمانہ میں دہلی کا ہندو راجہ اپنے عروج پر تھا شہاب الدین غوری جیسا جرار فاتح بھی

چوہان حکمراں دہلی و اجمیر سے دو مرتبہ شکست کھا کر ہندوستان سے جا چکا تھا خواجہ صاحب دہلی پہونچے تو لوگوں نے آپ سے مسلمان ہونے کے باوجود کچھ تعارض نہیں کیا۔ اسمیں آپکی روحانیت اور طرزِ عمل کو بہت کچھ دخل تھا۔ ظاہر ہے کہ آپ کا مقصد کوئی ملک گیری یا سلطنت فتح کرنا نہ تھا۔ آپ کا نصب العین اشاعت حق تھا اور وہ بھی آپ نہایت نرمی اور حکمت و موعظت سے کر رہے تھے۔ گو کہ بالعموم ہندو مسلمانوں کو قابل نفرت سمجھتے تھے۔ لیکن یہ آپکی روحانیت اور خلوص کی کشش اور آپ کے اخلاق کی جاذبیت تھی کہ لوگ کھچے چلے آتے تھے۔ آپکی خدمت میں لوگوں کا ہجوم رہنے لگا۔ دہلی کے قیام سے دل برداشتہ ہو کر آپ نے اجمیر کا قصد کیا۔

خواجہ قطب الدین کی خلافت

حضرت خواجہ بزرگ اس امر کی ضرورت محسوس کر چکے تھے کہ ہندوستان میں خاموش طریقہ سے اسلام کی تبلیغ کیجائے اور لوگوں پر اپنے طرزِ عمل سے اسلام کی خوبیاں اور پاکیزگیاں ظاہر کی جائیں تاکہ وہ اس جانب متوجہ ہوں اور کفر و شرک کی تاریکی سے نکلکر اس نور سے اپنے سینوں کو معمور کریں اور اس روشنی سے راہ نجات حاصل کر سکیں۔ آپ نے اس مسئلہ پر کافی غور و خوض کر کے اپنے ذہن میں ایک لائحہ عمل مرتب کیا تھا اور اب آپ اسکے مطابق کام شروع کر دینا چاہتے تھے چنانچہ دہلی چھوڑنے سے قبل آپ نے اپنے نامور مرید حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے دہلی میں متعین کیا کہ وہ اس علاقہ میں لوگوں کو اسلامی تعلیم دیں اور اس مشن کی تکمیل کریں جسکو خواجہ بزرگ اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے چکے تھے۔

اجمیر کا سفر اور قیام

دہلی میں اپنے کام سے مطمئن ہو کر خواجہ بزرگ اجمیر کی جانب

روانہ ہوئے - اجمیر اسوقت چوہان راجپوتوں کا پایۂ تخت تھا اور وہ زمانہ چوہان کے انتہائے عروج کا زمانہ تھا - اور عنان سلطنت رائے پتھورا کے ہاتھ میں تھی جو اپنے عہد کا ایک نامور راجہ گذرا ہے - اجمیر ایک قدیم تاریخی شہر ہے اور قدرتاً ایسی دلفریب جائے وقوع اسنے پائی ہے کہ ایک مسافر کیلئے یہاں آکر واپس لوٹنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے - اجمیر کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اسطرح واقع ہوئی ہیں کہ ایک قدرتی قلعہ کی دیوار شہر کے چاروں طرف کھچی ہوئی ہے - علاوہ ازیں اجمیر ہندوستان کے قریب قریب وسط میں واقع ہوا ہے اور اسلئے ایک شخص یہاں بیٹھکر جس آسانی سے اپنے تعلقات ہندوستان کے تمام اطراف و حصص سے رکھہ سکتا ہے کسی اور مقام سے ممکن نہیں - بہرحال یہی واقعات ہیں یا جو کچھہ باعث ہو یہ مسلم ہے کہ خواجہ بزرگ کی نظر انتخاب نے اس شہر کو اپنے مستقل قیام کے لئے پسند کیا اور آپنے یہیں سکونت اختیار فرمائی - اجمیر میں خواجہ صاحب نے تالاب آناساگر کے کنارے ایک پہاڑی پر قیام فرمایا - اس جگہ آج بھی آپ کا چلہ اور اسکے ساتھہ بہت سی عمارات بنی ہوئی ہیں - یہہ جگہ خواجہ صاحب کا چلہ مشہور ہے -

اجمیر میں خواجہ صاحب کی تشریف آوری کے متعلق مختلف مورخین نے مختلف سن بیان کئے ہیں - بعض کے نزدیک آپکی تشریف آوری ۵۵۵ھ میں ہوئی - لیکن یہ صحیح نہیں واقعات کی ترتیب نیز مستند روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اجمیر میں آپ ۵۶۱ھ میں تشریف لائے - اجمیر میں خواجۂ بزرگ نے اس خاموشی سے اپنی زندگی شروع کی کہ رائے پتھورا کو آپ کے قیام سے کوئی شکایت پیدا نہوئی لیکن آپکا کام برابر جاری تھا - آپکی روحانی کشش تھی کہ لوگ برابر خدمت میں آکر دولت اسلام سے مالامال ہو رہے تھے - آپ کے حسن اخلاق

اور دیگر برکات کا اثر تھا کہ تمام نواح اجمیر آپ سے محبت کرنے لگا۔ اور ہر شخص خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان آپکی عظمت و احترام میں یکساں سرگرم تھا اور گھر گھر آپ کا چرچا۔

رائے پتھورا کو خطرہ کا احساس

خواجہ صاحب کا روحانی تسلط تھوڑے ہی عرصہ میں اس خاموشی سے ترقی پذیر ہو گیا کہ رائے پتھورا نے اس سے خطرہ محسوس کیا۔ ایک اجنبی شخص کا خاص اسکے پایۂ تخت میں چپکے چپکے اتنا اثر قایم ہو جانا یقیناً اسکے لئے خوف کی بات تھی اور یہی خطرہ تھا جسنے رائے پتھورا کو آپ کے خلاف آمادہ کیا۔ رائے پتھورا کو خواجہ بزرگ سے مخالفت پیدا ہونے کے وجوہات کی تفصیل اسطرح ہو سکتی ہے۔

(۱) آپکا قیام ایک حصہ ملک میں تھا جہاں مسلمانوں کے خلاف بہت زیادہ تعصب موجود تھا اور آج اس زمانہ میں بھی راجپوتانہ میں ہندو مسلمانوں سے بہت چھوت چھات برتتے ہیں۔

(۲) خواجہ صاحب کی روحانی تسخیر جسنے نہایت خاموشی کے ساتھ ہندوؤں کو اسلام کی جانب مائل کر دیا تھا درحقیقت "ہندو قومیت" اور اسکے اتحاد و استحکام کو ایک کھلا ہوا چیلنج تھا۔

(۳) یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان پر مسلمانوں کی آنکھ لگی ہوئی تھی اور شہاب الدین غوری ہندوستان پر حملہ کی عظیم الشان تیاریاں کر رہا تھا جسکا علانیہ مقصد تسخیر ہندوستان کے سوا کچھ نہ تھا۔ ادھر خواجۂ بزرگ کا قیام جو نتائج پیدا کر رہا تھا وہ مسلمان حملہ آوروں کے لئے ممد و معاون اور ان کے لئے راستہ صاف کرنے والا تھا۔

(۴) پولیٹکل اعتبار سے ایک غیر ملکی و غیر مذہب آدمی کا پایہ تخت میں اتنا اقتدار قایم ہو جانا سلطنت کے لئے خطرہ کا باعث تھا۔

رائے پتھورا کو دعوت اسلام

اسی عرصہ میں خواجہ صاحب نے رائے پتھورا کو

بھی اسلام کی دعوت دی اور اوسکو دین حق کی بزرگیاں جتلائیں اور سمجھایا کہ کفر و بت پرستی کا انجام دائمی مصیبت اور تباہی ہے اور اس کا حاصل پشیمانی ہے لیکن ؎

گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ
بآب کوثر و زمزم سپید نتواں کرد

پتھورا بجائے اسکے کہ اس دعوت پر لبیک کہتا اور اسکو اپنی خوش نصیبی سمجھتا۔ اسنے خواجہ صاحب سے تو انکار کر دیا اور اسکی برہمی میں جو پہلے ہی سے موجود تھی اور اضافہ ہو گیا۔ اب وہ علانیہ خواجہ صاحب کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا اور اسنے اسبات کا تہیہ کر لیا کہ جسطرح ممکن ہو خواجہ صاحب کے اثر کو لوگوں کے دلوں سے کم کیا جائے اور آپکی جانب سے لوگوں کے عقائد میں فرق ڈالا جائے۔ رائے پتھورا اسوقت ایک زبردست حکمران تھا اور یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اُسنے صرف اسی پر کیوں اکتفا کیا۔ اگر وہ چاہتا تو جبراً خواجہ صاحب کو یہاں سے نکلنے کا حکم دیدیتا اسلیئے کہ آپ کے پاس کوئی فوج یا سر و سامان نہ تھا جسنے اس کو اس فعل سے باز رکھا ہو۔ لیکن واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت خواجہ صاحب کا دائرۂ اثر بہت وسیع ہو چکا تھا۔ نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو بھی آپ سے محبت کرتے تھے اگر رائے پتھورا ایسا کرتا تو ممکن تھا کہ خود اسکے پایۂ تخت میں ایک عظیم الشان ہنگامہ برپا ہو جاتا اور یہہ قرین مصلحت نہ تھا اسلیئے اسنے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ اسنے بھی آپ کے خلاف آپ کے اثر کو کم کرنے کے لئے ایک خاموش سعی شروع کی۔ اگر رائے پتھورا علانیہ خواجۂ بزرگ کے مقابلہ پر آتا تو اسکی راہ میں بہت سی دشواریاں حائل ہو جاتیں۔

پتھورا کا ایک مسلمان پر تشدد

رائے پتھورا کے دربار میں ایک مسلمان بھی ملازم تھا اور اختلاف مذہب کے باوجود رائے پتھورا

اسکی بہت قدر و عزت کرتا تھا۔ حضرت خواجہ بزرگ جو اُسوقت ظلمات کفر میں خضر ہدایت بنے ہوئے تھے کون مسلمان تھا جو اپنے دلمیں ان کی عظمت و محبت کے جذبات نہ رکھتا ہوگا۔ ایک مرتبہ اس مسلمان نے رائے پتھورا کے سامنے خواجہ بزرگ کی بہت تعریف کی اور اُنسے اپنی عقیدت ظاہر کی۔ رائے پتھورا یہ معلوم کر کے اس سے سخت ناراض ہوا۔ اور اسپر عتاب کرنا شروع کیا۔ بیحد مظالم توڑے حالانکہ اسکا قصور صرف یہ تھا کہ وہ خواجہ صاحب سے عقیدت رکھتا تھا۔ جب ظلم کی انتہا ہوگئی اور اس شخص میں صبر و ضبط کی تاب نہ رہی تو ایک روز اُسنے خواجہ صاحب سے یہ تمام ماجرا بیان کر کے درخواست کی کہ آپ رائے پتھورا سے میری سفارش کردیں۔ خواجہ صاحب نے رائے پتھورا سے اسکی سفارش کی۔ پتھورا خاموش ہوگیا لیکن آپکی واپسی کے بعد اُسنے آپکے متعلق نہایت گستاخانہ الفاظ استعمال کئے۔ شدہ شدہ یہ خبر خواجہ صاحب تک پہونچی یہ سُنکر آپ پر ایک جوش وکیفیت طاری ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ:۔

"وہ تو ہمیں نکالے تب نکالے گا اسکو اپنی خیر منانا چاہیئے"

شہاب الدین غوری کا حملہ

خواجہ صاحب کا یہ ارشاد بہت دور اندیشانہ اور مستقبل کے متعلق ایک پیشین گوئی تھی خواجہ صاحب جو بہت بڑے مبصر اور زمانہ شناس تھے جانتے تھے کہ عنقریب خود اس کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ اسوقت ہندوستان کا مطلع غبار آلود تھا۔ سرحدی مقامات پر مسلمانوں کا قبضہ تھا ۱۱۹۱ء کی ترائین یا تراوڑی کی جنگ میں سلطان شہاب الدین غوری راجگان ہند کی متحدہ طاقت سے شکست کھا چکا تھا اُسنے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ ہندوستان کو فتح کر کے رہیگا۔ شہاب الدین اپنے آئندہ حملے کے لئے عظیم الشان تیاریاں کر رہا تھا۔ چنانچہ

دوسرے سال ہی یعنی ۱۱۹۲ء میں سلطان نے ہندوستان پر حملہ کیا اور اُسی میدان میں جہاں گذشتہ جنگ ہوئی تھی اس موقع پر بھی فریقین کی افواج کا اجتماع ہوا اور اسی جگہ جہاں گذشتہ سال سلطان کو شکست ہوئی اس سال سلطان کو عظیم الشان کامیابی ہوئی پرتھوی راج گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔

یہ جنگ تاریخ ہند میں بہت اہمیت رکھتی ہے اسلئے کہ اس لڑائی کے بعد تاریخ ہندوستان کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ ہندوستان میں اس سے پہلے بھی مسلمان آچکے تھے اور یہاں اکثر معرکہ آرائیوں میں ان کو فتح بھی حاصل ہوئی لیکن مسلمانوں نے یہاں نہ مستقل سکونت اختیار کی نہ کسی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ لڑے۔ فتح پائی۔ اور اپنے ملک کو واپس لوٹ گئے۔ لیکن اسی تاریخ سے ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک مستقل سلطنت کی بنیاد پڑی جو صدیوں تک جاہ و جلال سے قایم رہی اور جسکا خاتمہ ۱۸۵۸ء میں ہوا۔

سلطنت اسلامی کا عروج

اب اسلامی سلطنت ترقی کرنے لگی اسلئے کہ اس لڑائی کے دوسرے سال یعنی ۱۱۹۴ء مطابق ۵۸۹ھ میں شہاب الدین کے قابل جانشین قطب الدین ایبک نے دہلی قنوج۔ اور بنارس کے راجاؤں کو بھی زیر کر لیا۔ تین سال بعد گوالیار بھی فتح ہو گیا ۱۱۹۷ء میں انہلواڑہ کی ریاست نے بھی اسلامی سلطنت کی اطاعت کر لی اور ۱۲۰۳ء میں قلعہ کالنجر کی تسخیر نے تمام شمالی ہند کو مسلمانوں کے زیر نگین کر دیا۔

خواجہ صاحب جس مقصد کے لئے کھڑے ہوئے تھے ابھی اسکی تکمیل باقی تھی۔ اس فتح سے آپ کو اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اب آپکی راہ میں مزاحمتوں اور مزاحمتوں کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ خواجہ صاحب نے اپنا کام جاری رکھا۔ آپ بدستور آخری لمحہ حیات تک اشاعت حق

میں مصروف رہے۔

سفر دہلی سلطنت اسلامی کے قیام کے بعد آپ ایک مرتبہ دہلی بھی تشریف لے گئے تھے۔ آپ کے اس سفر کی غایت مختلف سوانح نگاروں نے الگ الگ بیان کی ہے لیکن روایت جو قرین تحقیق ہے یہ ہے کہ ایک کاشتکار نے آپ سے شکایت کی کہ یہاں کے حاکم نے میرے تمام کھیت وغیرہ ضبط کر لئے ہیں اور مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک بادشاہ دہلی کا فرمان نہ لاؤ گے تمہیں یہ گاؤں اور زمین نہیں ملسکتی چونکہ میرا گذر صرف اسی زمین پر چل رہا ہے اور کاشتکاری ہی ذریعہ معاش ہے اسلئے میں آپکی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میری مدد فرمائیں۔ آپ نے دریافت کیا کہ اگر شاہ دہلی سے فرمان استمرار داری ملجائے تب تو تجھے تیری زمینیں ملسکتی ہیں۔ اُسنے عرض کیا کہ جی ہاں اسوقت حاکم کو میری زمین واپس کرنے میں کوئی عذر نہو گا۔ اور چونکہ سلطان شمس الدین التمش آپ کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کا مرید ہے اگر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی آپ کے حکم سے میری سفارش کر دیں تو مجھے یقیناً فرمان استمرار داری ملجائیگا۔ تھوڑی دیر تامل فرما کر آپ نے جواب دیا کہ گو سفارش بھی کارگر ہوگی لیکن میں خود اس کام کے لئے دہلی جاؤں گا۔ آپ اس کاشتکار کے ہمراہ دہلی تشریف لیگئے۔ بادشاہ کو آپکی تشریف آوری کا علم ہوا تو آپکی خدمت میں حاضر ہوا اور اس تکلیف فرمانے کی وجہ بھی آپ سے دریافت کی۔ آپ نے اس کاشتکار کا سارا ماجرا بیان کر دیا بادشاہ اِس سے بہت متاثر ہوا۔ اُسنے کہا کہ اگر آپ ایک ادنیٰ خادم کو بھی بھیجدیتے تو مجھے انکار نہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ انسانی ہمدردی، مظلوموں کی اعانت۔ اور پریشان حالوں کی خبرگیری بھی عین عبادت ہے اور اسی لئے میں خود اس مظلوم کاشتکار کے کام

کے لئے اجمیر سے دہلی آیا ہوں۔

نکاح

اب خواجہ صاحب کی عمر نوّے سال کی ہو چکی تھی اور ہنوز آپ نے شادی نہیں کی تھی۔ چونکہ اس سنت نبوی کی تکمیل بھی ضروری تھی اسلئے ۶۲۶ھ میں آپ نے سید وجیہہ الدین مشہدی گورنر اجمیر کی صاحبزادی عصمت اللہ بی بی سے عقد فرمایا۔

عقد ثانی

تھوڑے عرصہ کے بعد قلعہ ٹپلی کا حاکم ملک خطاب ایک لڑائی سے کسی ہندو راجہ کی لڑکی کو گرفتار کر کے لایا اور اسکو آپ کے حضور میں پیش کیا خواجہ بزرگ نے اس کو مسلمان کر کے ان کا نام بی بی امتہ اللہ رکھا اور اس سے نکاح فرمایا۔

وفات

آپ کے خلیفہ اعظم خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمتہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ جامع مسجد میں رونق افروز تھے اور قریب قریب تمام معتقدین و احباب آپ کے گرد جمع تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"موت ایسی چیز ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتی ہے محبت اسکو کہتے ہیں کہ دوست کی یاد دل سے ہو نہ کہ زبان سے"

اسکے بعد آپ نے کچھ ضروری وصیتیں فرمائیں جن سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ آپ کا زمانۂ وفات قریب ہے۔ ایک روز نمازِ عشا کے بعد خواجۂ بزرگ نے اپنے حجرہ کا دروازہ بند کیا اور تمام لوگوں کو اسطرف آنے جانے کی قطعی ممانعت کر دی۔ آپ تمام شب عبادت اور تضرع و زاری میں مصروف رہے نماز صبح کے وقت آپ کے دروازہ پر دستک دی گئی کوئی جواب نہیں ملا۔ مجبوراً دروازہ کھولا گیا۔ معلوم ہوا کہ آپ کی وفات ہو چکی ہے۔ آپ نے ۶ رجب المرجب ۶۳۳ھ کو ستانوے سال کی عمر میں اس دار فانی کو خیر باد کہا۔ آپ کو اس جگہ دفن کیا گیا جہاں آجکل آپ کا مزار ہے۔ حضرت سرمد علیہ الرحمتہ نے آپکی وفات کی تاریخ کہی ہے ؎

شد زدنیا چو در بہشت بریں　　مرشد متقی معین الدینؒ
گفت تاریخ رحلتش سرمد　　محرم دل - ولی معین الدینؒ

افسانۂ یاران کہن خواندم و رفتم
در باب کہ لعل و گہر افشاندم و رفتم

باب دوم

خواجۂ بزرگ کی اولاد

زوجہ اول بی بی عصمت اللہ سے آپ کے تین صاحبزادے پیدا ہوئے۔

(۱) ابوسعید خواجہ فخر الدین صاحب۔

(۲) ابوالخیر خواجہ ضیاء الدین صاحب۔

(۳) شیخ حسام الدین صاحب۔

خلف اکبر حضرت خواجہ ابوسعید فخر الدین ۵ شعبان ۶۶۱ھ کو ایک معرکہ میں شہید ہوئے آپ کا مزار اجمیر سے ۲۶ میل کے فاصلہ پر قصبۂ سرواڑ علاقہ ریاست کشن گڈھ میں واقع ہے۔ آپ کا عرس ہر سال یکم سے ۱۰ شعبان تک ہوتا ہے۔ آپ کے دوسرے صاحبزادے خواجہ ضیاء الدین نے ۶۶۵ھ میں وفات پائی۔ ان کے مزار کے متعلق اختلاف ہے بعض کا بیان ہے کہ جھالرہ کے کنارے شاہی گھاٹ پر جو مزار ہے وہی مزار آپ کا مزار ہے۔ خواجہ شیخ حسام الدین جو سب سے چھوٹے تھے کہا جاتا ہے کہ ابدال ہو گئے

آپ کے پوتے اور خواجہ فخر الدین آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے کے لڑکے خواجہ حسام الدین سوختہ کا مزار قصبۂ سانبھر میں واقع ہے اور ہر سال شعبان میں ان کا عرس ہوتا ہے۔

آپکی زوجۂ ثانی بی بی امۃ اللہ سے دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکے صغیر سنی میں فوت ہو گئے۔ لڑکی بی بی حافظۂ جمال مشہور کاملہ گذری ہیں۔ اور انہوں نے ہزاروں عورتوں کو چشمہ ہدایت سے سیراب کیا۔ ان کا عقد شیخ رضی الدین سے ہوا تھا۔ بی بی حافظہ جمال کا مزار خواجہ صاحب کے قریب ہی واقع ہے۔

۲ خلفا (اولاد روحانی)

آپ کے خلیفۂ اعظم خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ تھے۔ اوش ماوراء النہر کا ایک قصبہ ان کا وطن ہے۔ یہاں قطب صاحب ۲۴ رمضان ۵۴۸ھ کو پیدا ہوئے قصبۂ اوش میں مولانا حفص ایک زبردست عالم تھے۔ ۵ سال کی عمر میں خواجہ قطب الدین کو تعلیم کی غرض سے ان کے سپرد کیا گیا اسوقت خواجہ قطب کے والد انتقال فرما چکے تھے آپ نے کچھ عرصہ تک مولانا حفص سے تعلیم حاصل کی۔ آپ کے متعلق اس زمانہ کے اکثر بزرگوں کی رائے تھی کہ آپ اپنے زمانہ کے بڑے آدمی ہونگے ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

تعلیم سے فارغ ہو کر آپ سفر کو نکلے اور اصفہان میں ایک عرصہ تک شیخ محمود اصفہانی کی صحبت میں رہے۔ یہاں سے آپ نے بغداد میں جا کر حضرت خواجہ صاحب سے بیعت

کی - حضرت خواجہ قطب الدین کی بیعت کے متعلق بھی سوانح نگاروں نے مختلف روایات کی ہیں لیکن وہ سب حقیقت سے دور ہیں - ایک روایت ہے کہ آپ اصفہان میں خواجہ صاحب سے بیعت ہوئے - ایک اور سوانح نگار لکھتا ہے کہ آپ اپنے وطن قصبہ اوش میں جب خواجہ صاحب دوران سفر میں وہاں پہونچے تو بیعت ہوئے - اب خواجہ قطب کی روایت جو اس باب میں سب سے زیادہ قابل تسلیم ہے دلیل العارفین سے نقل ہے:-

بتاریخ پنجم ماہ رجب دوام قدرہ درویش نحیف ضعیف کہ یکے از سلک بندگان ملک المشائخ سلطان السالکین الملقب بہ قطب الدین بختیار اوشی است چون دولت پابوسی آن شاہ فلک دستگاہ در بغداد بمسجد امام ابو اللیث سمرقندی حاصل شد ہمان آمادہ بشرف بیعت مشرف شدم و کلاہ چہار ترکی از ناصر اصفیا بر سر این ضعیف زینت یافت۔

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بغداد میں بیعت ہوئے - اگر سوانح نویس ذرا اعتنا کرتے اور تحقیق کرتے تو ممکن نہ تھا کہ ایسی صریح غلط بیانیاں کی جاتیں - ہندوستان آنے کے بعد خواجہ صاحب نے خواجہ قطب الدین کو مخلوق کی فیض رسانی اور اسلام کی تلقین وہدایت کے لئے متعین فرمایا اور آپ یہیں اپنے فرائض انجام دیتے رہے - ۱۴ ربیع الاول سنہ ۶۳۵ھ کو آپ نے وفات پائی - آپ کا مزار دہلی میں ہے ۔

خلفائے اصغر خواجہ صاحب کے خلفائے اصغر بہت ہیں لیکن جن چند مشہور اور مستند خلفا کے نام درج ذیل ہیں

نمبر شمار	اسمائے خلفا	زمانہ خلافت	مقام خلافت	تاریخ وفات	مدفن	کیفیت
۱	حضرت احمد قمر	۱۳ رجب سنہ ۵۴۴ھ	اجمیر	۱۲ شوال سنہ ۶۲۱ھ	دہلی	
۲	حضرت عبد الغفارؒ	۲۳ ربیع الاول سنہ ۵۵۲ھ	"	۲۴ صفر سنہ ۶۹۲ھ	ملتان	
۳	حضرت شیخ احمد کابلیؒ	۶ صفر سنہ ۵۵۶ھ	"	محرم الحرام سنہ ۵۹۱ھ	بنارس	
۴	حضرت قادر سعیدؒ	۲۱ محرم سنہ ۵۶۲ھ	"	۹ رجب سنہ ۶۰۷ھ	اجمیر	

۵	حضرت معروف شہاب قریشی	۱۲ محرم سنہ ۵۷۵ھ	اجمیر	۱۹ صفر سنہ ۶۳۸ھ	اجمیر	
۶	〃 غلام ہادی ترک	۱۴ رجب سنہ ۵۷۷ھ	〃	۱۱ شوال سنہ ۵۸۸ھ	〃	
۷	〃 قران احمد ترک	۸ شوال سنہ ۵۷۸ھ	〃	۱۴ رمضان سنہ ۵۸۴ھ	دہلی	
۸	〃 احمد خاں غلزی	۵ محرم سنہ ۵۸۰ھ	〃	۱۸ ذوالقعدہ سنہ ۶۰۳ھ	قنوج	
۹	〃 احمد خاں درانی	۲۳ صفر سنہ ۵۸۱ھ	〃	۱۴ شعبان سنہ ۶۰۳ھ	اجمیر	
۱۰	〃 سلطان شاہ	۱۵ شعبان سنہ ۵۸۳ھ	〃	۱۹ جمادی الاول سنہ ۵۹۳ھ	〃	
۱۱	〃 عبداللہ اصغر	۲۳ ربیع الآخر سنہ ۵۸۵ھ	〃	۱۱ شعبان سنہ ۶۴۰ھ	دہلی	
۱۲	〃 ابوالفرح قریشی	۲۹ ذی الحجہ سنہ ۵۸۵ھ	〃	۱۴ ذی قعدہ سنہ ۶۱۷ھ	〃	
۱۳	〃 یعقوب خاں	۱۴ ربیع الاول سنہ ۵۸۶ھ	〃	۲۷ محرم سنہ ۶۹۸ھ	〃	
۱۴	〃 خواجہ احمد شاہ	۲۱ محرم سنہ ۵۹۲ھ	〃	۲۲ صفر سنہ ۶۸۱ھ	〃	
۱۵	〃 عبداللہ شاہ	۲۱ جمادی الاول سنہ ۵۹۲ھ	〃	۲۳ صفر سنہ ۶۸۱ھ	〃	
۱۶	〃 کریم شعیب بن محمود شاہ ملتانی	۱۰ صفر سنہ ۵۹۵ھ	〃	۲۳ رجب سنہ ۶۷۲ھ	دہلی	
۱۷	〃 خواجہ محی الدین	۱۸ رمضان سنہ ۵۹۵ھ	نامعلوم	نامعلوم	اجمیر	
۱۸	〃 شیخ حمید الدین ناگوری	یکم رجب سنہ ۵۹۶ھ	اجمیر	۵ محرم سنہ ۶۴۳ھ	دہلی	
۱۹	〃 ظہیر الدین	۱۷ ذی الحجہ سنہ ۵۹۶ھ	〃	۸ شوال سنہ ۶۰۳ھ	اجمیر	
۲۰	〃 خواجہ برہان الدین	۳ رمضان سنہ ۵۹۶ھ	〃	۱۴ رجب سنہ ۶۶۴ھ	〃	
۲۱	〃 سرور احمد	۱۱ ربیع الاول سنہ ۵۹۸ھ	〃	۱۸ شعبان سنہ ۶۱۵ھ	〃	
۲۲	〃 امیر برہان جی سید اسہاگ	۲۳ ذی الحجہ سنہ ۵۹۹ھ	〃	۱۶ محرم سنہ ۶۰۰ھ	〃	
۲۳	〃 صوفی شیخ حمید الدین ناگوری	۲۲ شعبان سنہ ۵۹۹ھ	〃	۲۹ ربیع الاول سنہ ۶۷۳ھ	ناگور	
۲۴	〃 شیخ احمد	۲۹ محرم سنہ ۵۹۹ھ	〃	۱۳ محرم سنہ ۶۳۰ھ	اجمیر	
۲۵	〃 شیخ محمد محسن	۱۷ شعبان سنہ ۵۹۹ھ	〃	نامعلوم	نامعلوم	
۲۶	〃 بی بی حافظ جمال	۱۱ ربیع الآخر سنہ ۵۹۹ھ	〃	〃	اجمیر	
۲۷	〃 غریب اصغر	۹ صفر سنہ ۶۰۰ھ	〃	۲۱ صفر سنہ ۶۰۹ھ	〃	
۲۸	〃 موشبوغ عراقی	۱۳ محرم سنہ ۶۰۰ھ	〃	۲۳ محرم سنہ ۶۰۷ھ	دہلی	
۲۹	〃 شیخ وجیہہ الدین	۵ صفر سنہ ۶۰۰ھ	〃	۱۱ رجب سنہ ۶۷۲ھ	ملتان	
۳۰	〃 کریم احمد شاہ	۲۷ ذی الحجہ سنہ ۶۰۰ھ	〃	۱۴ ذی الحجہ سنہ ۶۱۲ھ	اجمیر	
۳۱	〃 خواجہ سلمان کرشکی	۱۹ شعبان سنہ ۶۰۱ھ	〃	نامعلوم	نامعلوم	
۳۲	〃 شیخ شمس الدین فوقانی	۱۵ شوال سنہ ۶۰۱ھ	〃	۱۷ صفر سنہ ۶۷۴ھ	احمد آباد	
۳۳	〃 محمود احمد	۱۸ ربیع الاول سنہ ۶۰۲ھ	〃	۱۵ محرم سنہ ۶۰۷ھ	اجمیر	
۳۴	〃 شعبان خاں ترک	۲۱ محرم سنہ ۶۰۲ھ	〃	۱۴ جمادی الآخر سنہ ۶۱۷ھ	〃	

نمبر شمار	اسمائے خلفا	زمانۂ خلافت	مقام خلافت	تاریخ وفات	مدفن	کیفیت
۳۵	حضرت خواجہ حسن خیاط	یکم محرم سنہ ۶۰۳ھ	اجمیر	نامعلوم	نامعلوم	
۳۶	" حسن داؤد جی	صفر سنہ ۶۰۴ھ	"	۱۹ رجب سنہ ۶۳۱ھ	اجمیر	
۳۷	" مراد بیگ مغل	۱۱ ذیقعدہ سنہ ۶۰۶ھ	"	۲۷ شوال سنہ ۶۱۴ھ	"	
۳۸	" ہادی محمد غفرت	۳ صفر سنہ ۶۰۶ھ	"	۱۶ ذی الحجہ سنہ ۶۰۹ھ	"	
۳۹	" اظہر خاں ترک	۲۷ محرم سنہ ۶۰۶ھ	"	۹ شعبان سنہ ۶۰۷ھ	دہلی	
۴۰	" کیوان اصغر قندہاری	۱۱ محرم سنہ ۶۰۷ھ	"	۷ ذی الحجہ سنہ ۶۱۵ھ	"	
۴۱	" سفیان احمد	۱۱ صفر سنہ ۶۰۷ھ	"	۶ رجب سنہ ۶۱۰ھ	"	
۴۲	" عبد الغفار	۲۴ شعبان سنہ ۶۰۷ھ	"	۲۵ رجب سنہ ۶۶۱ھ	اجمیر	
۴۳	" عزیز احمد شاہ	۴ رمضان سنہ ۶۰۷ھ	"	۱۶ صفر سنہ ۶۹۷ھ	دہلی	
۴۴	" شیخ محمد زاہد ترک	۱۹ شعبان سنہ ۶۰۷ھ	"	۱۱ محرم سنہ ۶۳۴ھ	"	
۴۵	" فقیر محمد	۱۱ شعبان سنہ ۶۰۸ھ	"	۲۷ جمادی الآخر سنہ ۶۱۱ھ	جمرود	
۴۶	" شہاب ولی	۱۱ رجب سنہ ۶۰۸ھ	"	۱۶ جمادی الآخر سنہ ۶۱۷ھ	اجمیر	
۴۷	" شیخ محمد علی سنجری	۲۱ رجب سنہ ۶۰۸ھ	"	نامعلوم	نامعلوم	
۴۸	" خواجہ یادگار خرم	۲ رمضان سنہ ۶۰۹ھ	"	۱۰ محرم الحرام سنہ ۶۴۰ھ	غزنی	
۴۹	" سوغی بہادر شاہ	۹ صفر سنہ ۶۰۹ھ	"	۱۱ محرم سنہ ۶۱۸ھ	اجمیر	
۵۰	" مرد ماہ خاں ترک	۸ رجب سنہ ۶۰۹ھ	"	۱۶ شعبان سنہ ۶۱۹ھ	"	
۵۱	" نعمت احمد صفا	۸ صفر سنہ ۶۰۹ھ	"	۱۴ جمادی الآخر سنہ ۶۱۷ھ	"	
۵۲	" شیخ صدر الدین	۲ ربیع الاول سنہ ۶۰۹ھ	"	نامعلوم	نامعلوم	
۵۳	" خواجہ سبز یادگاری	۵ محرم سنہ ۶۱۰ھ	"	۲۱ ذی الحجہ سنہ ۶۴۵ھ	قندہار	
۵۴	" خواجہ اکبر شاہ	۲۴ شعبان سنہ ۶۱۱ھ	"	۱۹ رمضان سنہ ۶۲۱ھ	اجمیر	
۵۵	" محمد اصغر بہاری	۵ محرم سنہ ۶۱۳ھ	"	۱۱ رجب سنہ ۶۹۷ھ	دہلی	
۵۶	" فتح محمد قتا	۲۹ ذی الحجہ سنہ ۶۱۱ھ	"	۹ رجب سنہ ۶۳۳ھ	اجمیر	
۵۷	" سلطان مسعود غازی	۱۳ جمادی الآخر سنہ ۶۱۳ھ	"	نامعلوم	"	
۵۸	" سبحان علی خان جمعی	۱۴ ذی قعدہ سنہ ۶۱۳ھ	"	۹ ذی الحجہ سنہ ۶۱۹ھ	"	
۵۹	" شیخ وحید الدین خراسانی	۱۱ ربیع الاول سنہ ۶۱۴ھ	"	۹ جمادی الآخر سنہ ۶۴۵ھ	ہرات	
۶۰	" نظام الدین خاں ترک	سنہ ۶۲۰ھ	"	۱۱ رجب سنہ ۶۲۱ھ	دہلی	

ہم نے حضرت خواجہ بزرگ کے خلفا کی مفصل فہرست درج کی ہے اور اس سے یہہ بتلانا مقصود ہے کہ آپ نے تبلیغ اسلام کے لئے جو طریقہ اختیار فرمایا وہ یہی تھا کہ آپ نے ہر حصہ ملک میں اپنے مبلغین کو متعین فرمایا اور اس وسیع نظام کا مرکز اجمیر کو قرار دیا۔ اجمیر میں آپ نے لوگوں کو بیعت کیا تربیت دی اور خلافت عطا فرما کر مناسب مقامات پر اشاعت حق کیلئے بھیج دیا۔ یہہ لوگ اسی علاقہ میں کام کرتے رہے۔ اس نقشہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ دہلی۔ ہرات۔ ناگور (مارواڑ) بنارس۔ قنوج۔ ملتان۔ قندھار۔ غزنی احمدآباد جمرود غرضکہ ہر حصۂ ملک میں آپکی جانب سے مبلغین متعین تھے اور ہدایت کا ایک دریا اس ملک کے تمام اطراف و اکناف میں تشنہ لبوں کو سیراب کر رہا تھا۔

۳ لباس و عادات

خواجہ صاحب بہت سادہ لباس پہنتے تھے جو دوہرا بخیہ کیا ہوا ہوتا تھا۔ اگر وہ پھٹ جاتا تو آپ پیوند لگا لیا کرتے تھے۔ آپ کے لباس کی وضع نہیں بتلائی جا سکتی لیکن قیاس کہتا ہے کہ آپ عربی وضع کا لباس زیب تن فرماتے ہونگے۔

آپ بہت خوش خلق اور ملنسار واقع ہوئے تھے۔ آپ کے مزاج میں عفو و حلم کا مادہ بھی بہت تھا۔ یہ آپ کے اخلاق حسنہ کی کشش تھی کہ جہاں آپ نے قیام کیا ہر مذہب اور فرقہ کے آدمی بلا تامل آپکی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ سے دلی محبت رکھتے تھے۔ کیسا ہی متعصب سے متعصب اور کٹر سے کٹر آدمی کیوں نہ ہو صرف ایک ملاقات میں وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ آپ کے حلم و عفو اور تواضع کے چند واقعات یہ ہیں:۔

عفو خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے خواجہ صاحب کو کبھی

خفا ہوتے نہیں دیکھا۔ لیکن ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ اپنے ایک خادم شیخ علی کے ہمراہ جارہے تھے کہ راستہ میں ایک شخص نے شیخ علی کا دامن پکڑا اور دنگا فساد کرنے لگا۔ خواجہ صاحب نے اسکی وجہ دریافت کی تو اُسنے بیان کیا کہ آپ کا خادم میرا قرضدار ہے۔ اور قرض ادا نہیں کرتا۔ آپ نے اس سے کہا کہ اگر تیرا قرض اسپر واجب ہے تو لے اس [illegible] کے نیچے سے اپنی واجب رقم لیلے۔ اسکے دلمیں لالچ پیدا ہوا اور کچھ رقم زیادہ لیلی۔ خدا کی قدرت کہ اس کا ہاتھ اُسی وقت خشک ہو گیا۔ اُسنے آپ سے معافی چاہی تو آپنے اسکو معاف کر دیا اور وہ تندرست ہو گیا۔ وہ شخص متاثر ہوا اور آپکے قدموں پر گر پڑا۔

حلم ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص آپکی جان لینے کے ارادہ سے آیا۔ آپکو اسکا علم ہو چکا تھا۔ وہ شخص آپکی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑی عقیدت وارادت کا اظہار کیا۔ آپ اس سے بہت خلق سے پیش آئے۔ اسکو اپنے پاس بٹھلایا اور کہا کہ تم جس ارادہ سے میرے پاس آئے ہو اسکو پورا کر دیو۔ یہ سنتے ہی وہ شخص کانپنے لگا۔ اور نہایت عجز وانکسار سے کہنے لگا کہ میری ذاتی خواہش یہ نہ تھی بلکہ مجھے لالچ دیکر مجبور کیا گیا کہ میں اس حرکت کا ارتکاب کروں۔ اُسنے اپنی بغل سے ایک چھرا نکالا اور آپ کے سامنے رکھدیا اور کہنے لگا کہ آپ مجھے اسکی سزا دیجئے۔ آپنے فرمایا کہ میرا دستور بدلہ لینا نہیں ہے۔ ہم اس شخص کے ساتھ بھی نیکی کرتے ہیں جو ہمارے ساتھ بدی کرے ع

اگر مردی احسن الی من اساء

مردان راہ خدا کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ ہم نے تم کو معاف کیا۔ پھر آپ نے اسکے لئے دعا فرمائی۔ وہ شخص تائب ہوا اور آپ کی خدمت میں رہنے لگا۔ آپ رات کو کم سوتے اور

اور کھانا بھی بہت کم کھاتے تھے اور بالعموم صبح کی نماز عشا کے وضو سے ادا کرتے تھے۔

تیر اندازی خواجہ صاحب بہت اچھے تیر انداز تھے اور سفر میں ہمیشہ تیر وکمان اور نمکدان و چقماق ساتھ رکھتے تھے۔ آپ بالعموم شکار کے کباب سے روزہ افطار فرماتے تھے۔

۴ تصانیف

کتب تاریخ سے خواجہ صاحب کی تصانیف کا پتہ نہیں چلتا نہ یہ معلوم ہوتا کہ آیا آپ نے کچھ کتب بھی تصنیف کیں۔ لیکن کچھ کتابیں ہیں جو بالعموم خواجہ صاحب سے منسوب کیجاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ آپکی تصنیف کردہ ہیں۔ خواجہ صاحب ایک بڑے پایہ کے بزرگ تھے آپ نے اپنی زندگی کو اسلام کے لئے وقف کر دیا تھا آپ ایک مقصد لیکر کھڑے ہوئے تھے یعنی اشاعت اسلام۔ اسی مقصد کے حصول کا ایک طریقہ تصنیف و تالیف بھی ہے۔ اور اسلئے اس امر کا امکان ہے کہ جو تصانیف آپ سے منسوب ہیں وہ درحقیقت بھی آپکی تصنیف کردہ ہوں اور جسطرح آپ کی زندگی کے بیشمار اہم واقعات سے تاریخیں خالی ہیں یہی معاملہ آپکی تصانیف کے ساتھ بھی ہو۔ اسلئے ان کتب کا تذکرہ ضروری ہے جو آپکی تصنیف بتلائی جاتی ہیں۔

(۱) **انیس الارواح**:۔ یہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو خواجہ صاحب نے جمع کیا ہے اور ترتیب دیا ہے۔ اصل رسالہ فارسی میں ہے۔ اسکا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ انیس الارواح کے لئے مورخ متفق ہیں کہ خواجہ صاحب کی تالیف ہے۔

(۲) **دیوان معین**:- یہ ایک فارسی دیوان ہے جو خواجہ صاحب سے منسوب ہے۔ اس دیوان میں کل ۱۲۱ غزلیں اور ایک قطعہ ہے دوسرے اصناف کا کلام نہیں ہے تخلص معین اور بعض بعض جگہ معینی بھی اختیار کیا گیا ہے۔ غزلیات کا رنگ تصوف آمیز ہے اور اس اعتبار سے بہت عالی پایہ مضامین باندھے گئے ہیں لیکن فارسی میں کہیں کہیں ہندیت کی جھلک ہے۔ خواجۂ بزرگ کا وطن خاص فارس تھا اسلئے یہ خواجۂ بزرگ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ معین تخلص ایک اور بزرگ گذرے ہیں یہ انہی کا کلام ہے۔ بہر حال یہہ مسلم ہے کہ یہ دیوان خواجہ صاحب کا نہیں ہے حالانکہ خواجہ صاحب کی طبیعت میں شعریت ضرور موجود تھی۔ آپ کی ایک رباعی بہت مشہور ہے ۵

شاہ است حسین و بادشاہ است حسین
دین است حسین و دین پناہ است حسین
سر داد و نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

تعجب ہے کہ یہ رباعی اس دیوان میں نہیں ہے۔ بہر حال ہم دیوان معین کے متعلق کوئی قطعی رائے قایم کرنے کے بجائے اشعار کا انتخاب پیش کرکے یہہ فیصلہ ناظرین کے ذوق سلیم پر چھوڑتے ہیں:-

وصال حق طلبی ہمنشین نامش باش
بہ بین وصال خدا در وصال نام خدا
یقین بداں کہ تو با حق نشستہ شب و روز
چو ہمنشین تو باشد خیال نام خدا

اگر بقا طلبی اولت فنا باید
کہ تا فنا نشوی رہ نمی بری بہ بقا
نقاب ہستیٔ خود را تو از میاں بردار
دگر بہ بین کہ جمال کہ می شود پیدا
اگر تجلی نور قدم ہمی خواہی
معین نقاب حدوث از جمال خود بکشا
بر دل غافل کجا تا بد فروغ مہر دوست
مہبط آں نور نبود جز دل آگاہ ما

من ازان ترسم که سوزد بالهائے قدسیان | شعلهٔ گر بر فلک تا بد ز سوز آہ ما
معین به چشم خرد حسن دوست ننماید | به بین به دیدهٔ مجنون جمال لیلیٰ را
نور حق ست آن مجسم گشته در ذات نبی | ہمچو نور ماه کز خورشید کرد است اکتساب

اگر یہہ مان لیا جائے کہ یہہ خواجۂ بزرگ ہی کا کلام ہے تو مندرجہ بالا شعر خواجہ صاحب کی ہئیت دانی کا ثبوت ہے ع

ہمچو نور ماہ کز خورشید کردہ است اکتساب

سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ بزرگ ہئیت کے اس مسئلہ سے واقف تھے کہ چاند بذاتہٖ روشن نہیں ہے بلکہ آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے۔

این چه نور است که بر کون و مکان تافته است | نور عشق ست که از مطلع جان تافته است
عشق مانند ہماییست که از اوج شرف | سایهٔ دولت او بر دو جهان تافته است
بهر نادیدن خفاش نگردد پنهان | آفتابیکه ز هر ذره عیان تافته است
بزم خاص ست معین باده و صراحی پیش آمد | هان که مستی تو بر مجلسیان تافته است
زجام عشق نه منصور بیخود آمد و بس | که دار نیز همی گفت بارسن همه اوست
بگو که کثرت اشیا بفیض وحدت گشت | تو در حقیقت اشیا نظر فکن همه اوست
بگوئے خسته دلانیکه جان رسیده بلب | اگر برسم عیادت گذر کنی چه شود
دلا جمال خدا چشم سر نمی بیند | اگر بدیدهٔ دل یک نظر کنی چه شود
دل بے غم همی خواهی دل غمگین بدست آور | چو دل غمگین عشق آور ز غمها جمله بے غم شد
مگر صبا ز سر کوئے دوست می آید | که از زمین و زمان بوئے دوست می آید
ازین مصائب دوران منال و شادان باش | که تیر دوست به پهلوئے دوست می آید

جائیکه زاهدان بهزار اربعین رسند
مست شراب عشق بیک آه برسد

جمال یار می خواهی بذرات جهان بنگر
که هر ذره است مرائے کزو دیدار می تابد

نکتهها دوش دلم گفت و شنیده از لب یار
که نه هرگز بزبان رفت و نه در گوش آمد

چو دل از غیر دوست خالی شد
لطف حق آن زمان نزول کند

من ازان جامیکه در روز ازل نوشیده ام
همچنان سرمست خواهم بود تا روز نشور

یکدو حرفے خوانده ام در پیش استاد ازل
تا ابد هر دل رسد هر لحظه معنیٔ دگر

کارگر افتاد تیرت دوش بر جان معین
تا سحر نالید مسکین عاقبت بنهاد سر

باز جان من که شد محبوس دام آب گل
گر بخود خوانی شود از قید تن آباد باز

شهر معمور دلم کز سیل هجران شد خراب
شاید از معماری وصلت شود آباد باز

ما نمیگوئیم نعمت یا بلا خواهیم و بس
بلکه ما دائم رضائے دوست را خواهیم و بس

هر کسے خواهد که ماند در جهان باقی و لیک
ای معینی ما بقا اندر فنا خواهیم و بس

دل ز سوز عشق و داغ یار یابد پرورش
چون زر خالص که اندر نار یابد پرورش

در گلستان حقیقت چون گل نوباده
گل میان صد هزاران خار یابد پرورش

دنیا طلب غافل عقبی طلبد عاقل
من عاشقم و بیدل جز یار نمی خواهم

مگو که دیدهٔ حادث قدیم کے بیند
همین بس است که من خویش را نمی بینم

عروج جان معنی بر اوج او ادنے
بجز مطابعت مصطفےٰ نمی بینم

تو هر حجاب که خواهی فرو گذار که من
بنعرهٔ که زنم صد حجاب را بدرم

چو جام و بادهٔ ساقی مهیاست
روا باشد که من مخمور باشم

آئینه مغرور حسن خویشتن هرگز نشد
بلکه می بیند جمالے در جمال خویشتن

اگر بستی خود چشم دل فراز کنی
نخست دیدہ ہر بیدار ودست باز کنی
ولے زہستی خود بگزری بہ از صد سال
کہ روز روزہ بداری وشب نماز کنی

۳ گنج الاسرار:- اصل کتاب نظر سے نہیں گذری۔ اردو ترجمہ مخزن الانوار کے نام سے موسوم ہے۔ دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب خراجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ کے حکم سے سلطان شمس الدین التمش کی تعلیم و تربیت کے لئے خواجہ صاحب نے لکھی ہے اسکے لئے خواجہ صاحب نے ستر کتب فراہم کیں لیکن یہ کتاب بھی خواجہ صاحب نے تصنیف نہیں کی۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ ایک کارآمد تصنیف ہے۔

۴ احادیث المعارف:- مشہور ہے کہ اس نام کی ایک کتاب خواجہ صاحب کی تصنیف سے ہے لیکن تلاش وجستجو کے باوجود ہم کو دستیاب نہ ہوسکی لہذا ہم اسکے متعلق کسی رائے کے اظہار سے مجبور ہیں۔

۵ رسالۂ وجودیہ:- سنتے ہیں کہ اس نام کا ایک رسالہ وجود کی بحث میں خواجۂ بزرگ کی تصنیف ہے۔ ہماری نظر سے نہیں گذرا۔

۵۔ ملفوظات

آپکے ملفوظات کو حضرت خواجۂ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ نے یکجا ترتیب دیا ہے اس رسالہ کا نام "دلیل العارفین" ہے۔ اصل کتاب فارسی ہے لیکن اس کا اردو ترجمہ بھی ہوچکا ہے۔ اسمیں وہ عارفانہ اقوال اور پند و نصائح جمع ہیں جو خواجۂ بزرگ نے مختلف صحبتوں میں اپنے مریدین و معتقدین کو ارشاد فرمائے۔ دلیل العارفین میں بارہ[۱۲] مجالس کا ذکر ہی اور فقر و ثواب۔ مکتوبات و تسبیحات۔ اوراد۔ سلوک و معرفت کے متعلق آپکے ارشادات

ہیں۔ یہ رسالہ ۵۔ رجب ۱۱۴ھ کو تمام ہوا۔ یہ مختصر رسالہ گویا حضرت خواجہ بزرگ کے مواعظ کا مجموعہ ہے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ آپکے عارفانہ اقوال ناظرین کو پیش کریں مفصل دیکھنے کے لیئے دلیل العارفین کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

عارفانہ اقوال

عارف کی پہچان:۔ (۱) حاجی خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے ہیں اور عارف اپنے دلوں پر عرش حجاب عظمت کا طواف کرتے ہیں۔ (۲) عارفوں کا مرتبہ یہ ہے کہ تمام عالم اور جو کچھ اسمیں ہے وہ ان کو اپنی دو انگلیوں کے بیچ نظر آتا ہے (۳) عارف کا کمترین درجہ یہ ہے کہ اسمیں صفات حق ہوں۔ (۴) عارف کا درجۂ کمال یہ ہے کہ اگر اسپر کوئی دعویٰ کرے تو قوت کرامت سے اسکو ملزم نہ بنائے فرض اللّٰہ علیہ علی الاولیاء کتمان الکرامۃ کما فرض علے انبیائہ اظہار المعجزۃ۔

(۵) عارف وہ ہے جو سب سے زیادہ متحیر ہو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا فرمائی ہے اللّٰہم زدنی تحیرًا) (۶) عارف وہ ہے جو اپنا دل دونوں جہان سے اٹھا لے (۷) عارف وہ ہے کہ ہر دم عالم غیب سے لاکھوں تجلیات اسپر ظاہر ہوں اور ایک زمانہ میں اسپر اتنے ہی حال وارد ہوں (۸) عارف وہ ہے کہ عالم سلوک میں خدا کے سوا کسی سے یار نہ چاہیئے۔ (۹) عارف کے تین رکن ہیں۔ ہیبت:۔ ہیبت یہ ہے کہ اپنی تقصیروں سے شرمندہ ہو۔ تعظیم:۔ تعظیم یہ ہے کہ ہمیشہ طاعت میں کوشش کرے۔ حیا:۔ حیا یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی پر نظر نہ ڈالے

نماز کی تاکید (۱) ہر روز دو فرشتے آسمان سے اتر کر پکارتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ جس سے خدا کا فرض دانستہ ترک ہوا وہ خدا کی ضمانت سے

باہر ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ جس نے رسول کریم صلعم کی سنت کو ترک کیا وہ قیامت کے دن شفاعت سے محروم ہو گا۔ (۲) بندہ کو نماز میں قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ نماز مسلمانوں کی معراج ہے (۳) نماز عبد و معبود کے لئے ایک راز ہے جو ان دو کے درمیان رہتا ہے نماز میں جسقدر اطمینان قلب۔ تسکین اور حضوری ہو اسیقدر بندہ کو خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے (۴) سعید ہیں وہ مسلمان جو نمازیں ٹھیک وقت پر ادا کرتے ہیں اور ان میں تقدیم و تاخیر نہیں کرتے اور وہ مسلمان قابل افسوس ہیں جو اپنے آقا کی یاد سے غافل رہتے ہیں (۵) جو ہمیشہ باقاعدہ پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا ہے قیامت میں اسکی نماز اسکی محافظ ہوگی (۶) ویل کی تفسیر میں امام زاہد فرماتے ہیں کہ ویل نے سختی عذاب سے نالاں ہو کر جناب باری میں عرض کیا کہ خداوندا یہ سخت عذاب کن لوگوں کے لئے ہے ارشاد ہوا کہ جو نماز وں کو قضا کرتے ہیں اور اوقات مقررہ پر ادا نہیں کرتے۔

مظلوم و بیکس کی امداد

(۱) قیامت کے دن فرشتوں کو حکم ہوگا کہ دوزخ کو وہاں نار سے باہر لائیں اور تپائیں یہاں تک کہ اسکی ایک سانس سے تمام میدان محشر دہوئیں سے بھر جائیگا بس جو شخص یہ چاہے کہ عذاب اور ہول سے امان میں ہو اسکو چاہیئے کہ ایسی طاعت کرے کہ خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک اس سے پسندیدہ تر کوئی طاعت نہو اور وہ یہ ہے۔ درماندوں کی فریاد رسی۔ عاجزوں کی حاجت روائی بھوکوں کو پیٹ بھر کھلانا (۲) جو شخص کسی بھوکے کو کھانا کھلائے گا قیامت کے روز اسکے اور دوزخ کے درمیان سات پردے حائل ہو جائیں گے (۳) چار چیزیں نفس کی زینت ہیں۔ بھوکے کو کھانا کھلانا اور مظلوم و حاجتمند کی حاجت روا کرنا۔ دشمن سے مہربانی اور سلوک کرنا۔

فنا

(۱) صاحب محبت وہ ہے کہ عشق کی ابتدا میں ناچیز ہو جائے (۲) تجرید غیر و ب سے کٹکر دوست کے ساتھ آرام پانے کو کہتے ہیں (۳) عارف کا دل اپنے حال میں فانی اور مشاہدۂ دوست میں باقی ہونا چاہیئے۔

صحبت کا اثر

(۱) صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے جیسے جو ملا صحبت کی برکت سے ملا۔ بُری صحبت سے بُرا اثر اور نیک صحبت سے اچھا اثر ہوتا ہے۔

(۲) عاقبت کی خیر نیکوں کی صحبت میں ہے۔ خواہ کوئی کیسا ہی بُرا ہو جب نیکوں کی صحبت میں پہونچتا ہے تو نیکوں کی صحبت کا اثر بدی کو زائل کر دیتا ہے اور اگر کوئی نیک بروں کی صحبت میں رہنے لگے تو تھوڑے عرصہ میں ویسا ہی بُرا ہو جائیگا۔

آزمایش

(۱) زحمت و سختی کا آنا صحت ایمان کی دلیل ہے اور اس سے انسان کے گناہ ایسے پاک ہو جاتے ہیں جیسے ماں کے پیٹ سے بچہ معصوم نکلتا ہے (۲) صادق دوست وہ ہے جو دوست کی بھیجی ہوئی مصیبت کو نہایت مسرت سے قبول کرے یہاں تک کہ اگر پارہ پارہ کر کے راکھ بھی کر دیا جائے تو دم نہ مارے۔

من لم یرض بقضائی ولم یصبر علیٰ بلائی فیطلب ربًا سوائی ؎

آزمایش ہے نشان بندگان محترم
جانچ ہوتی ہے اسکی جسپہ ہوتا ہی کرم

والدین کی خدمت

(۱) خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے جو مرتبہ پایا خدمت والدین سے پایا (۲) والدین کے چہروں پر محبت سے نگاہ کرنا بھی عبادت ہے۔

منازل سلوک

(۱) ندی نالے اور دریا کا پانی بہتے ہوئے شور کرتا ہے

لیکن جب سمندر میں جاکر ملجاتا ہے تو آواز باقی نہیں رہتی اسی پر منازل سلوک کو قیاس کرنا چاہیئے۔

مرشد کی اطاعت اگر مرشد کامل طالب صادق سے کوئی امر فرمائے تو طالب کا فرض ہے کہ اسکی تعمیل میں سرمو فرق نہ کرے۔

۶ خواجۂ بزرگ کے ہمعصر

ایک سوانح نگار کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ان بزرگوں کی تفصیل پیش کریں جو خواجۂ بزرگ کے ہمعصر تھے۔ ذیل کی فہرست پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ دنیائے اسلام کے اکثر عظیم المرتبت ہستیاں آپ کے عہد میں تھیں۔ خواجۂ بزرگ اس زمانہ میں تھے جب اسلام کی سیاسی حالت نہایت دگرگوں اور ابتر تھی لیکن یہی عہد ہے جسمیں دنیائے اسلام کے مشہور علما ہو حکما اور بڑے بڑے قابل ترین لوگ ہوئے ذیل میں ان بزرگوں کے اسمائے گرامی معہ تاریخ وفات درج ہیں جو خواجہ صاحب کے ہمعصر تھے:-

۱	حضرت شمس الدین تبریزی	۶۴۴ھ	
۲	شیخ شہاب الدین سہروردی	۶۳۲ھ	
۳	محی الدین ابن عربی	۶۳۷ھ	
۴	خواجہ فریدالدین عطار شہید	۶۲۶ھ	نیشاپور میں تاتاریوں کے ہاتھوں شہید ہوئے
۵	علامۂ فخرالدین رازی	۶۰۶ھ	
۶	نظام الدین گنجوی	۵۹۲ھ	

۷ خواجہ وجیہہ الدین ابو حفص سہروردی ۵۶۶ھ

۸ خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی ۵۶۲ھ

۹ حضرت احمد کبیر رفاعی قادری ۵۷۲ھ

۱۰ شیخ یاسر ۵۸۲ھ

۱۱ شیخ اوحد الدین کرمانی ۶۲۶ھ

۱۲ حضرت جلال الدین تبریزی ۶۴۲ھ

۱۳ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی ۶۶۱ھ

۱۴ حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ ھ

۷۔ خواجۂ بزرگ کی شخصیت

خواجہ صاحب اپنے عہد کے ایک زبردست بزرگ ہوئے ہیں آپ نے تبلیغ اسلام کا کام ایک عظیم الشان پیمانہ پر اوس ملک میں انجام دیا ہے جہاں ایک ایک ذرہ کفر و بت پرستی میں آلودہ تھا اور توحید باری تعالیٰ کا خیال بھی کسی کے ذہن میں نہ تھا جس وقت خواجۂ بزرگ ہندوستان میں تشریف لائے تو یہاں سرحدی مقامات کے سوا تمام ملک پر ہندو چھائے ہوئے تھے۔ ہندوستان کے ہندو بخلاف دوسرے ممالک کے کفار و مشرکین کے چھوت چھات کے بہت سختی سے پابند تھے۔ چھوت چھات ہندوستان کی ایک قدیم اور نرالی رسم ہے اور آج بھی جبکہ جدید تہذیب و ترقی کا آفتاب ہر گھر میں چمک رہا ہے یہ رسم ہندوستان کے ہنود میں باقی ہے۔ آج چھوت چھات کی حالت دیکھکر اس امر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسوقت جبکہ ہندو مذہب اور قومیت اپنے انتہائی

عروج پر تھی چھوت چھات کا کیا عالم ہو گا ؎

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اور اُس زمانہ کے ہندو اس باب میں کسقدر سخت ہو نگے۔ اس چھوت چھات کا انتہائی درجہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد کو بھی ہندوؤں نے گوارا نہیں کیا اسلئے کہ انکے عقائد کے بموجب اس سرزمین پر مسلمانوں کا قدم آنے سے یہ تمام ملک ناپاک ہو جاتا کیونکہ مذہبی حیثیت سے ہندوستان کو وہ ایک مقدس سرزمین سمجھتے ہیں۔

اس زمانہ میں خواجہ صاحب یہاں تشریف لائے اور پھر ایک ایسے صوبہ میں قیام کیا جہاں ہندو مسلمانوں سے بہت زیادہ متنفر اور متعصب تھے اور جہاں چھوت چھات کا رواج بہت سختی سے تھا۔ آج بھی ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی بہ نسبت یہاں زیادہ ہے۔ بہر حال آپ یہاں ٹھہرے اور آپ نے اشاعت دین کا کام شروع کیا۔ ہر حصۂ ملک میں اپنے خلفا اور مریدین کو خاص اسی کام کے لئے متعین کیا اور بڑے پیمانہ پر اسکو جاری رکھا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ جو کام خواجہ صاحب نے کیا وہ کسی معمولی انسان کا کام نہ تھا۔ یہ کام ایک عظیم ترین شخصیت ہی سے ہو سکتا ہے۔ ایک تنہا شخص غیر ملک میں اپنے دشمنوں کے درمیان خود انہی کی حکومت میں آتا ہے۔ اس حالت سے کہ نہ اسکے پاس کوئی سر و سامان ہے نہ کوئی اس کا حامی و مددگار اور یہاں آکر اشاعت حق کے لئے ایک وسیع اور کامیاب نظام قایم کرتا ہے اسکی راہ میں بیشمار موانع پیش آتے ہیں مگر وہ اعتنا نہیں کرتا۔ اسکو ہر قدم پر قربانیاں کرنی پڑتی ہیں مگر اس کا قدم اپنے راستہ سے نہیں ڈگمگاتا وہ دھن کا پکا اپنے کام میں مصروف رہتا ہے۔ اور آخر اس کام کی تکمیل کرتا جسکو اسنے اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا تھا۔ اس حقیقت

پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ خواجہ بزرگ کس پایہ کے انسان تھے اور آپکی شخصیت کیا تھی؟ آپکی شخصیت کی بزرگی کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو آپ کے کام کی نوعیت۔ گرد و پیش کے حالات اور اس راہ کے مصائب و آلام سے واقف ہو۔ بہر حال یہ ایک مسلم امر ہے کہ خواجہ بزرگ اپنے عہد کے ایک زبردست آدمی تھے اور آپ نے تنہا اور بے سر و سامانی کی حالت میں جو کام کیا یقیناً دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اسکی انجام دہی میں عاجز رہتی۔ خواجہ بزرگ نے اپنی تمام زندگی امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں صرف کی اسلئے کہ یہی اہل اللہ کی زندگی کا خاص مقصد ہوتا ہے

حامل حق کے لئے تبلیغ ہے شرط حیات

اسلئے ہے امر بالمعروف کا فرماں ملا

مختلف اقوام کا مرجع

خواجہ صاحب کی زندگی اور واقعات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ آپ نے ایک عرصہ تک دور و دراز ممالک کے سفر کئے اور پھر ہندوستان آکر یہاں مستقل سکونت اختیار کی۔ اس تمام عرصہ میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں آپ کی ذات تمام مختلف مذاہب اور اقوام کا مرجع نہ رہی ہو۔ ہر جگہ غیر مذہب کے آدمی بھی آپ سے اسیقدر محبت کرتے تھے جتنی کہ مسلمان جب آپ اجمیر تشریف لائے تو یہاں بھی یہی حالت ہوئی کہ تمام ہندو باشندے آپ سے محبت کرنے لگے اور آپکی عظمت کا سکہ ان کے دلوں پر جم گیا حتی کہ پرتھوی راج جیسے جرار فرمانروا کی بھی جرأت نہ ہو سکی کہ علانیہ آپکے مقابلہ پر آتا در اصل خواجہ بزرگ بہت بڑے اہل اللہ تھے۔ آپکی روحانیت اور خلوص میں ایک مقناطیسی کشش تھی جو بلا امتیاز سبکو کھینچ لیتی تھی آپکے اخلاق حضرت

نبی کریم صلعم کے اخلاق کا بہترین نمونہ تھے اور ان میں وہ جاذبیت موجود تھی کہ بلا تکلف ہر انسان اس جاذبیت سے متاثر ہوتا تھا اور اختلاف مذاہب بھی اس کشش و جاذبیت میں حائل نہیں ہوسکتا تھا۔ خواجہ صاحب کی ذات جسطرح اپنی زندگی میں بلا تخصیص مذاہب تمام اقوام کا مرجع تھی اسیطرح آج بھی آپ کا مزار ہندو۔ پارسی اور دیگر اقوام کی جبینوں کے لئے متحدہ سجدہ گاہ ہے۔ جسطرح شاہان مغلیہ نے درگاہ میں جاگیریں نذر کیں اسی طرح مرہٹہ پیشواؤں نے بھی معافیاں بخشیں جسطرح مسلمان بادشاہ آپ کے مزار پر انتہائے خلوص وعقیدت سے حاضر ہوئے اسیطرح ہندو فرمانرواؤں نے بھی آپکی بارگاہ پر سر نیاز خم کیا۔ اس واقعہ پر غور کیجئے تو اس عہد کے صلحائے امت میں تو اس شخصیت کی نظیر ہندوستان ہی میں نہیں دوسرے ممالک میں بھی نہیں ملسکتی۔ ان صفات کے اعتبار سے خواجہ صاحب کی ذات یکتا ہے ؎

ہمہ رابستۂ گیسوئے پریشان داری
غمزۂ خاص بہر گبر و مسلمان داری

خواجۂ بزرگ کی زندگی نے کیا سبق دیا

آج خواجۂ بزرگ کی وفات کو سات سو سال کا زمانہ گذرا اور اس عرصہ میں بیشمار انقلاب ہندوستان میں گذرے لیکن خواجۂ بزرگ کی پاک زندگی نے دنیا کے لئے جو سبق چھوڑا ہے وہ آج ان تمام انقلابات کے بعد بھی بدستور موجود ہے اور زمانہ کی دستبرد بھی اسمیں کوئی تغیر پیدا نہ کرسکی۔ وہ لوگ جو چشم بصیرت رکھتے ہیں آج بھی خواجۂ بزرگ کی حیات میں چند "غیر فانی نقوش" کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔ دنیائے اسلام کی یہ عظیم المرتبت ہستی آج تک سات سو سال سے اپنی زبان سے یہ صدا بلند کر رہی ہے:۔

اے ربانی عشق و محبت کے طلبگارو:۔ اگر واقعی تمہارے دل فانی محبت سے ہٹکر کسی باقی کے خواہشمند ہیں۔ اگر درحقیقت تمہیں ازلی و ابدی محبوب کی تلاش ہے۔ اگر دراصل تمہارا جسم نہیں بلکہ تمہاری روح کسی کی محبت کی سرشاری کے لئے بیتاب ہے تو آؤ کہ یہ دولت صرف **"اسلام"** کے آستانہ پر بٹتی ہے اور اسی خزانہ سے ملتی ہے۔

حصّہ دوم

شہر اجمیر اور اسکی مشہور و قابل دید عمارات کا تاریخی تذکرہ

اجمیر کی قدیم تاریخ پر ایک سرسری نظر

روندی ہوئی ہے کوکبۂ شہریار کی
اترائے کیوں نہ خاک سرِ رہ گذار کی

اجمیر کی بنا اجمیر ہندوستان کا ایک قدیم اور تاریخی شہر ہے۔ کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی یعنی سمت ۲۰۲ بکرمی میں راجہ اجے پال نے اس شہر کی بنیاد ڈالی۔ اسوقت یہ شہر موجودہ آبادی کے گوشۂ جنوب و مغرب میں پہاڑوں کے اندر بسایا گیا تھا۔ اس جگہ آجتک بھی بہت قدیم عمارات کے کھنڈر ملتے ہیں اور اکثر زمین کھودنے پر ایسی اشیاء دستیاب ہوئی ہیں جن سے اس بات کی تحقیق ہوتی ہے کہ وہاں کبھی کوئی شہر آباد تھا لیکن وقتاً فوقتاً امتداد زمانہ کے ساتھ اسکی آبادی بھی مختلف مقامات پر مختلف ناموں

کیساتھ اسی دو چار کوس کے گرد و نواح میں تبدیل ہوتی رہی۔ اجمیر سے قریباً آٹھ میل گوشہ غرب و شمال میں آج بھی ایک موضع اجیسر آباد ہے جو کسی زمانہ میں شہر تھا۔ زمانہ قدیم کی تاریخوں میں اجمیر کو (۱) جیانگر (۲) جیادرگ (۳) اجیمیر (۴) آدمیر (۵) جلوپور بھی کہا گیا ہے

بنا کا سبب

ہندوستان کی قدیم تاریخ میں ایک مشہور فرمانروا بودھ مذہب کا پیرو "کنشک" گذرا ہے جو سنہ ۷۸ء عیسوی میں تخت پر بیٹھا اور سنہ ۱۲۰ء یعنی بیالیس سال تک اسنے حکمرانی کی اسکا پایہ تخت پرشپورہ (پشاور) تھا اور تمام کشمیر کابل۔ اور دریائے نربدا تک شمالی ہندوستان اسکے زیر نگین تھا۔ یہ راجہ ایک زمانہ تک ہندوستان کے دور دراز سرحدی مقامات پامیر وغیرہ کی طرف جنگ و جدال میں مصروف رہا اسکی غیر موجودگی میں اسکے لڑکے وشیشک اور ہوشیک نے یکے بعد دیگرے کاروبار سلطنت سنبھالا اور غالباً سنہ ۱۲۰ء میں کنشک کی موت کے بعد یا سنہ ۱۲۳ء میں موخرالذکر نے کامل خودمختاری حاصل کرلی۔ یہ سنہ ۱۴۰ء تک شان و شوکت سے حکومت کرتا رہا اسکے بعد واسودیو تخت نشین ہوا۔ واسودیو کے عہد میں سلطنت کا شیرازہ منتشر ہونا شروع ہوگیا۔ ٹھیک اسی زمانہ میں اجمیر کی بنیاد پڑی۔ راجہ اجے پال چکوانے جو ابتک اسی خاندان کا ایک باجگذار صوبہ تھا سلطنت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر کوہ ارولی کے دامن میں شہر اجمیر کی بنیاد ڈالی اور اسکو اپنا پایہ تخت قرار دیکر ایک مستقل سلطنت کا مالک بن بیٹھا۔ راجہ اجے پال دراصل ریاست انہل پور کا راجہ تھا جسکا پایہ تخت پٹن گجرات میں تھا اور ابتک انہل پور کی ریاست کنشک کے خاندان کی باجگذار تھی۔

چوتھی صدی عیسوی

سنہ ۳۳۰ء میں ایک نئی طاقت پیدا ہوئی جس کا اثر و اقتدار ہندوستان میں وسعت پذیر ہونے لگا۔ یہ طاقت "گپتا"

خاندان کی سلطنت تھی۔ ابھی اسکو قایم ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ اس خاندان کے ایک مستعد اور قابل حکمراں "سمندر گپت" نے قریب قریب تمام شمالی ہند فتح کرلیا۔ راجپوتانہ کے مختلف روسا بھی اسکے زیر اثر آ گئے۔ اجمیر کے چوہان راجپوت حکمراں نے بھی اسکی اطاعت اختیار کی

پانچویں صدی عیسوی

"سمندر گپت" کے بعد "چندر گپت ثانی" تخت نشین ہوا۔ یہ راجہ بالعموم بکرماجیت کے نام سے مشہور رہا ہے اور سن بکرمی کو اسنے ہی رواج دیا۔ اسکا عہد ۳۷۵ء سے ۴۱۳ء تک رہا اسکے عہد میں بھی جو پانچویں صدی کا زمانہ ہے اجمیر اسکے زیر اثر تھا۔ بکرماجیت کے جانشین کمار گپت کے عہد میں وسط ایشیاء کی وحشی اقوام کے جتھے ہندوستان میں داخل ہوئے اور بعض بعض مقامات پر انکا مقابلہ بھی مقامی حکمرانوں سے ہوا۔ گپتا سلطنت کو ان سے زیادہ نقصان نہیں پہونچا۔ کمار گپت کے بعد سکند گپت کے عہد میں ایشیاء کی اس نو وارد طاقت نے جو تاریخ میں "ہن" یا "ہنا" کے نام سے یاد کیگئی ہے خاندان گپتا کی حکومت کا خاتمہ کردیا۔

اب یہ نو وارد طاقت تمام پنجاب و راجپوتانہ پر چھا گئی اور ہر جگہ لوٹ مار شروع کردی اسی وجہ سے ایک عام بدنظمی پھیل گئی۔ مورخین کو اس عہد کے مفصل حالات دستیاب نہیں ہوسکے اسلئے تفصیلات پر روشنی ڈالنا مشکل ہے لیکن قیاس یہی کہتا ہے کہ اجمیر کے راجہ نے بھی ان کی اطاعت اختیار کرلی۔

چھٹی صدی عیسوی

ہنوں نے بھی ایک باقاعدہ سلطنت کی بنیاد ڈالی لیکن ہندوستان کی قدیم سلطنتیں اور یہاں کے باشندے انکے استیصال کی فکر میں تھے کہ آخرکار ۵۲۸ء میں مگدھ کے راجہ نے تمام راجگان ہند کو ایک متحدہ طاقت سے اس نو وارد وحشی قوم کے استیصال کی دعوت دی۔ اور

ایک زبردست حملہ کیا گیا - ہن قوم کے فرمانروا ماہر گل کو سخت شکست ہوئی اور ہنوں کا چراغ گل ہو گیا - چھٹی صدی کے اختتام تک ہندوستان میں ان کا نام و نشان بھی نہ رہا -

ساتویں صدی عیسوی ساتویں صدی کے ابتدا میں ایک نئی طاقت ہندوستان میں زور پکڑنے لگی - یہ طاقت راجہ ہرشن والیٔ قنوج کی تھی - تھوڑے عرصہ میں اسنے آسام - بنگال گجرات - سراشٹر وغیرہ سب فتح کر لیا - اور قریب قریب تمام شمالی ہند اسکی مملکت میں شامل ہو گیا - لیکن راجپوتانہ کا مغربی حصہ جسمیں اجمیر بھی شامل تھا - محفوظ رہا - اسکی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ ہرشن کو اس جانب توجہ کرنے کی مہلت نہیں ملی یا وہ اس حصہ کو فتح نہیں کر سکا لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ ہرشن نے اس جانب توجہ ہی نہیں کی - اس حصہ پر گوجروں کا قبضہ تھا اور اجمیر بدستور چوہان راجپوتوں کے قبضہ میں تھا لیکن وہ گوجروں کے زیر اثر تھے ۶۴۷ء میں ہرشن کے مرنے پر کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں جگہ جگہ قایم ہو گئیں -

آٹھویں صدی یہ تمام ریاستیں راجپوت سرداروں کے قبضہ میں تھیں - اجمیر کی ریاست بھی منجملہ ان کے ایک آزاد ریاست تھی - تاریخ اس زمانہ کے مفصل حالات پیش کرنے سے قاصر ہے - اسلئے آٹھویں اور نویں صدی عیسوی کے حالات پر روشنی نہیں پڑ سکتی -

دسویں صدی اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اجمیر ایک مستقل سلطنت کا پایہ تخت تھا - دسویں صدی میں سلطان محمود سبکتگین نے ہندوستان پر حملہ کیا اور اسکے بعد سلطان محمود غزنوی کے متواتر حملے ہوئے ۱۰۰۱ء میں سلطان محمود نے راجہ اجے پال والیٔ پنجاب کو عظیم الشان شکست دی راجہ گرفتار ہوا سلطان

محمود نے اسکو چھوڑ دیا لیکن جے پال نے خودکشی کی اور اسکے بعد اسکا لڑکا انند پال تخت نشین ہوا۔ انند پال نے اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے راجگان اُجین گوالیار۔ کالنجر۔ قنوج۔ دہلی اور اجمیر کی ایک متحدہ طاقت سے سلطان کے مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسوقت بھی اجمیر ایک مستقل راجہ کا پایۂ تخت تھا بہر حال ہندؤں کو اس موقعہ پر زبردست شکست ہوئی اور بہت نقصان برداشت کرنا پڑا

گیارہویں صدی

گیارہویں صدی عیسوی میں اجمیر کا راجہ بیسلدیو (جسکی یادگار تالاب بیسلہ ابھی تک اجمیر میں موجود ہے) ہوا۔ اسکے عہد میں دہلی کی تومار راجپوت سلطنت بھی اجمیر سے ملحق ہوگئی اور اسطرح اجمیر کی سلطنت ایک طاقتور سلطنت ہوگئی۔ اسی راجہ کے عہد میں ۱۰۲۴ء کا واقعہ ہے کہ سلطان محمود فتح سومنات کی غرض سے ہندوستان میں آیا اور ملتان فتح کرتا ہوا اجمیر پہونچا۔ یہاں بھی ایک زبردست معرکہ کے بعد سلطان محمود کو فتح ہوئی۔ راجہ بیسلدیو قید ہوا۔ اُسنے اسلام قبول کرلیا تو سلطان محمود نے اسکو مفتوحہ ملک واپس دیدیا لیکن بیسلدیو اسلام کی چاشنی سے لذت گیر ہوچکا تھا۔ اب یہ سلطنت اسکے سمجھ میں کیا آتی۔ اُسنے گوشہ نشینی اور عبادت کا تہیہ کرلیا تھا مجبوراً سلطان محمود نے سالار ساہو کو یہاں کا عامل مقرر کیا اور سومنات کا عزم کیا۔ اسکے بیس سال بعد راجپوتوں کا پھر زور ہوگیا اور انہوں نے مسلمان گورنر کو شہید کرکے سارنگ دیو کو تخت پر بٹھلایا لیکن یہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد مرگیا۔ اور اسکی جگہ بیسلدیو کا چھوٹا بھائی آنا دیو تخت نشین ہوا۔ اسی آنا دیو کی یادگار تالاب آنا ساگر اب تک موجود ہے۔

مسلمانوں کی آمد۔ بارہویں صدی

اسکے بعد پرتھوی راج تخت نشین ہوا

یہی وہ مشہور راجہ ہے جسکے عہد میں اجمیر کو بہت رونق ہوئی اور جسکے باعث تاریخ ہند میں اجمیر کو بہت اہمیت حاصل ہوئی۔ پرتھوی راج کے عہد میں قلعہ تارا گڈھ کی نامکمل عمارت کی سنگ سرخ سے تعمیر شروع ہوئی۔ اور اسی کے عہد میں تکمیل ہوئی۔ اس قلعہ کی بنیاد راجہ اجے پال بانی اجمیر نے ڈالی تھی اور ہندوستان میں قلعہ کی پہلی دیوار جو کسی پہاڑ پر تعمیر کی گئی اسی تارا گڈھ کی دیوار ہے۔ لیکن راجہ اجے پال کو اس پرآشوب زمانہ کے حادثات و واقعات نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اسکو مکمل کرتا۔ اسکے بعد کسی اور راجہ کو بھی یہ موقعہ نہیں ملا۔ پرتھوی راج نے تخت پر بیٹھتے ہی پہلے اسطرف توجہ کی اور سنگ سرخ سے اسکی تعمیر شروع کی۔ بالآخر قلعہ تیار ہوگیا۔ آج اس قلعہ کے کھنڈر دیکھکر اسبات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسوقت مشکل ہی سے کوئی قلعہ اسکی ٹکر کا مضبوط۔ خوش وضع اور عالیشان ہوگا۔ پرتھوی راج کے عہد میں سلطان شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر حملہ کیا اور جنگ ترائیں یا تراوڑی میں دوسری مرتبہ سنہ ۱۱۹۱ء میں پرتھوی راج اور اوسکے ساتھ تمام راجگان ہند کو شکست عظیم ہوئی۔

پرتھوی راج گرفتار ہوکر قتل ہوا اور اجمیر پر اسلامی پھریرا لہرانے لگا۔ شہاب الدین غوری نے یہاں اپنا ایک صوبہ دار مقرر کیا اور اجمیر بھی پایہ تخت دہلی کا ایک صوبہ ہوگیا لیکن صرف ایک سال کے بعد اجمیر کا سابق چوہان خاندان اسپر قابض ہوگیا اور دو ہی سال کے بعد دہلی کے پٹھان خاندان نے اسپر پھر قبضہ کرلیا۔

دہلی کے پٹھان بادشاہ

اجمیر سنہ ۱۱۹۵ء سے سنہ ۱۴۰۱ء تک دہلی کے پٹھان سلطنت کے قبضہ میں رہا یعنی قریباً دوسو پچاس سال تک یہ سلطنت دہلی کا صوبہ رہا لیکن سنہ ۱۴۰۱ء میں اسپر میواڑ کے سیسودیا

خاندان کے راجپوت حکمران کا قبضہ ہوگیا۔ اسکی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی کہ جب ۱۳۸۸ء میں سلطان فیروز تغلق کا انتقال ہوگیا تو اسکی جانشینی کے متعلق اسکے لڑکوں میں ایک طویل عرصہ تک خانہ جنگی برپا رہی اور اس عرصہ میں تمام سلطنت کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔ بادشاہ دہلی کا اثر و اقتدار صرف قلعۂ دہلی تک باقی تھا۔ اس باہمی رقابت اور خانہ جنگی نے یہاں تک زور پکڑا تھا کہ ۱۳۹۷ء میں دہلی کے پرانے قلعہ میں سلطان محمود کی حکومت تھی اور اس سے چند میل کے فاصلہ پر فیروزآباد میں نصرت شاہ مدعی سلطنت تھا۔ بہرحال اسی عرصہ میں راجگان میواڑ نے اجمیر پر قبضہ کرلیا۔ میواڑ کی حکومت یہاں ۵۵ برس تک رہی کہ ۱۴۵۵ء میں سلطان مانڈو نے اجمیر فتح کیا اور ۱۵۰۵ء تک یہاں انکی حکومت رہی کہ پچاس سال کے بعد اجمیر پھر راجگان میواڑ کے قبضہ میں چلا گیا اور ۲۸ سال تک پھر ان کے قبضہ میں رہا۔ ۱۵۳۳ء میں سلطان گجرات نے اس کو فتح کیا اور ایک سال کے بعد ہی یعنی ۱۵۳۴ء میں مارواڑ کے راٹھور خاندان نے اس پر قبضہ کرلیا۔ اجمیر پر راٹھوروں کی بیس سال حکومت رہی اور ۱۵۵۶ء میں شہنشاہ اکبر نے اس کو فتح کیا۔

اکبر کا عہد۔ موجودہ شہر کی بنیاد

اکبر کو خواجہ بزرگ سے نہایت عقیدت تھی اور وہ کئی بار آگرہ سے اجمیر پاپیادہ حاضر ہوا۔ اسی باعث اجمیر سے بھی اکبر کو ایک خاص لگاؤ تھا۔ اسلئے اکبر نے اجمیر کی ترقی میں پوری کوشش کی اور اُسکو پر رونق بنانے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ اجمیر بھی اس کے عہد میں منجملہ بائیس ۲۲ صوبوں کے ایک صوبہ تھا۔ اور یہاں ایک صوبہ دار رہتا تھا جب ۹۷۷ھ میں اپنے جلوس کے پندرھویں سال چوتھی بار اکبر یہاں آیا تو اُسنے

اس شہر کو از سر نو ترتیب دینا چاہا۔ چنانچہ اُسنے سب سے اول ایک شہر پناہ بننے کا حکم دیا اور پتھر و چونہ کی گچکاری سے اندازاً ۲ ½ گز چوڑی ایک فصیل تیار کی گئی جس کا دور چار ہزار سینتالیس گز تھا۔ یہ شہر پناہ ابتک باقی ہے لیکن بعض بعض مقامات پر کثرت آبادی کے باعث منہدم کردی گئی ہے اور اکثر مقامات پر ایک طویل عرصہ گذر جانے کے باعث گر پڑی ہے۔ اسوقت شہر کے چار دروازے رکھے گئے تھے۔

(۱) دہلی دروازہ۔ جانب شمال (۲) مدار دروازہ۔ جانب شرق (۳) ڈگی دروازہ جانب جنوب (۴) ترپولیہ دروازہ جانب غرب بعدہٗ دو دروازے۔ آگرہ دروازہ اور اوسری دروازہ اور نکالے گئے۔ اس شہر پناہ کے وسط میں ایک مختصر سا قلعہ بھی بنایا گیا جس کو بادشاہی محل کہین تو بیجا نہ ہوگا۔ آجکل یہہ عمارت میگزین کے نام سے مشہور ہے۔ اسی وقت دہلی دروازہ سے درگاہ خواجہ صاحب تک جنوباً شمالاً درگاہ بازار تعمیر کیا گیا۔ یہ بازار بھی بہت خوشقطع ہے۔ اکبری مسجد جو احاطۂ درگاہ شریف میں ایک عالیشان مسجد ہے اسی زمانہ مین بنائی گئی۔ بہرحال اکبر نے اجمیر کو ترقی دینے میں کوئی کمی نہیں کی اور یہی وجہ ہے کہ اسکے عہد میں اجمیر بہت بڑھ گیا۔

خاندان مغلیہ کا دور اکبر کے بعد خاندان مغلیہ کے دوسرے جانشینوں کے عہد میں بھی اجمیر برابر ترقی کرتا رہا۔ اول تو خواجہ بزرگ کی عقیدت کے سبب فرمانروایان مغلیہ کو اجمیر سے بہت دلچسپی تھی اور دوسرے اجمیر کے وہ بیشمار قدرتی مناظر جو اس سرزمین کے ہر ہر حصہ پر خدا کی قدرت وجلال کے مظہر ہیں۔ اسقدر جاذب واقع ہوئے ہیں کہ اکثر بادشاہ مدتوں یہیں قیام رکھتے تھے۔ جہانگیر جسکی طبیعت میں قدرتی مناظر کی سیر و تفریح اور عیش و عشرت کا ذوق بھی بہت زیادہ واقع ہوا تھا اکثر اجمیر

ہی میں رہتا تھا گو کہ برائے نام پایۂ تخت آگرہ تھا۔ تارا گڈھ کے دامن میں دو پہاڑوں کے درمیان ایک خوشنما وادی ہے جو چشمۂ جہانگیری مشہور ہے۔ یہاں پہاڑوں سے ہر وقت آبشارین جاری رہتی ہیں جہانگیر نے یہاں ایک سیرگاہ اور محل تعمیر کیا تھا جسکے کھنڈر آج بھی اس زمانہ کی یاد تازہ کر رہے ہیں۔ جہانگیر اور اوسکی بیگم نور جہان زیادہ تر یہیں رہتے تھے۔ جہانگیر کے بعد شاہجہان تخت نشین ہوا شاہجہان نے تالاب آناساگر پر صرف سنگ مرمر سے ایک عالیشان محل تیار کرایا اس محل کا اکثر حصہ آج بھی موجود ہے اور ایک سیاح کے سامنے اُس عہد کی پُرشوکت تصویر پیش کر دینے کے لئے کافی ہے۔ شاہجہان نے درگاہ خواجہ صاحب میں بھی سنگ مرمر سے ایک عالیشان مسجد تعمیر کی۔ یہ مسجد بھی اپنی نوعیت میں یکتا ہے۔ شاہجہان بھی اجمیر میں کئی بار آیا اور مدتوں یہاں مقیم رہا۔ بہرحال خاندان مغلیہ کا دور اجمیر کے لئے بہت بابرکت زمانہ تھا اور اس عہد میں اجمیر پُررونق شہر تھا۔ اکثر مورخین شاہنشاہ اورنگ زیب کے یوم وفات سے سلطنت مغلیہ کے زوال کی تاریخ ابتدا سمجھتے ہیں اور یہ ایک حد تک صحیح ہے اسلئے کہ اورنگ زیب کے بعد تخت دہلی کے لئے اسکے لڑکوں میں جو خانہ جنگیاں ہوئیں ان سے دہلی کی سلطنت کو سخت صدمہ پہونچا لیکن ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے حملہ نے خاندان مغلیہ کی باقی ماندہ طاقت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اب ہندوستان میں عام بدنظمی پھیل گئی اور جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستیں قایم ہوگئیں اور ملک کا جو حصہ جس کے قبضہ میں تھا وہ اسکو دبا بیٹھا اجمیر کے قریب اسوقت جودھپور کے راٹھور راجاؤں کی قوت زور پر تھی ۱۷۴۳ء میں انہوں نے اجمیر کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔

مرہٹہ طاقت کا عروج

سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد ہندوستان میں

ایک اور طاقت کا عروج ہوا۔ یہ مرہٹہ قوم تھی جو جنوبی ہند کے پہاڑوں میں آباد تھی۔ شاہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں اس قوم نے ترقی اختیار کی لیکن اسوقت تک انکی طاقت کوئی باقاعدہ طاقت نہ تھی۔ بلکہ یہ لوٹ مار کرکے پہاڑوں میں بھاگ جایا کرتے تھے لیکن اورنگ زیب کے بعد شاہان مغلیہ اور دربار دہلی کی کمزوری نے انکو آگے بڑھنے کی جرأت دلائی۔ یہاں تک کہ تھوڑے عرصہ میں یہ قوم تمام شمالی ہند پر چھا گئی۔ اسی زمانہ میں گوالیار کے مہاراجہ سندھیا نے اجمیر پر بھی حملہ کیا اور دو سال تک یعنی ۱۷۵۶ء سے ۱۷۵۸ء تک اجمیر میں دو عملی رہی یعنی راٹھور اور سندھیا کی مشترک حکومت رہی۔ دو سال بعد اس دو عملی کا خاتمہ ہوگیا اور ۱۷۵۸ء میں راٹھور راجاؤں کا قبضہ یہاں سے بالکل اٹھ گیا اور ۱۷۸۷ء تک یہاں مرہٹوں کی حکومت رہی۔ ۲۹ سال کے بعد یعنی ۱۷۸۷ء میں راٹھور پھر اس پر قابض ہوگئے لیکن چار سال کے بعد ہی یعنی ۱۷۹۱ء میں مرہٹوں نے پھر اس پر قبضہ کرلیا۔ یہ قبضہ ۱۸۱۸ء تک رہا اور اسی سال ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ میں آیا۔ اجمیر ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ میں ایک عہد نامہ کے ذریعہ آیا جو بابو راؤ سندھیا سے ہوا۔

اجمیر برطانیہ کے عہد میں

مرحبا تازگی فصل بہار اجمیر
گل نورستۂ فردوس ہے خار اجمیر
(میر احمدی)

موجودہ اجمیر اجمیر آگرہ سے ۲۲۸ میل۔ دہلی سے ۲۳۵ میل لاہور سے ۵۷۰ میل اور بمبئی سے ۶۸۱ میل دور واقع ہوا ہے۔ موجودہ شہر کو

ارولی کے دامن میں کئی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ بارش کے موسم میں یہاں کا منظر بہت دلچسپ اور جاذب ہوتا ہے۔ تمام پہاڑیاں سبزہ قبا میں ملبوس نظر آتی ہیں۔ تالاب لبریز ہوتے ہیں اور جگہ جگہ آبشارین اور پہاڑ کا سبزہ کشمیر کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔ تالاب آنا ساگر پر سبز پہاڑیوں کے پیچھے آفتاب کا غروب ہونا اور شفق کی رنگینیوں سے سطح آب کی نیرنگیاں عجیب جانفزا نظارہ پیدا کر دیتی ہیں یہی باعث تھا کہ جہانگیر جیسا فطرت پرست بادشاہ بھی برسات کا موسم یہیں گذارتا تھا اور نور چشمہ جہانگیری جو تارا گڈھ کے دامن میں واقع ہے آجتک اسکی یاد تازہ کر رہا ہے

آب و ہوا اجمیر کی آب و ہوا بالعموم نہایت عمدہ اور صحت بخش ہے موسم گرما اور سرما دونوں معتدل ہیں۔ بارش کا موسم تو نہایت ہی لطیف اور روح افزا ہوتا ہے۔ ایک فطرت پرست انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس موسم میں اجمیر کی سیر کرے۔ یہ علاقہ طوفانوں اور زلزلوں سے بالکل محفوظ ہے۔ بارش کا اوسط قریباً ۲۱ انچہ سالانہ ہے۔

پیداوار اجمیر میں گیہوں۔ جو۔ باجرا اور مکی کی پیداوار اچھی ہے۔ ہر قسم کی ترکاریاں اور گلاب چنبیلی۔ موتیا کے پھول بکثرت اور عمدہ ہوتے ہیں ان کا عطر نکالنے کے لئے دور دراز سے لوگ خریدنے آتے ہیں۔ اجمیر کا گلاب خاص طور سے مشہور ہے اور جہانگیر کے عہد میں سب سے پہلے یہیں گلاب کا عطر تیار ہوا ہندوستان میں اس سے پہلے گلاب کا عطر نہیں ہوتا تھا۔

آبادی ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے اعداد حسب ذیل ہیں۔ اسمیں ہندو مسلمان عیسائی اور دیگر اقوام پارسی سکھ وغیرہ ہیں۔

شہر کی ترقی - اجمیر ۱۸۱۸ء میں لارڈ ہیسٹنگز کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ میں آیا - تاریخ ہند کا وہ دور جو ۱۷۳۹ء یعنی زمانہ نادر شاہ سے شروع ہو کر ۱۸۵۷ء میں غدر دہلی پر ختم ہوتا ہے بالخصوص بہت پر آشوب اور فتنہ و فساد کا دور تھا - خاندان مغلیہ کے جانشین بہت کمزور ہو چکے تھے اور اونکی وقعت شاہ شطرنج سے زیادہ نہ تھی - خاندان مغلیہ کی حکومت دہلی کے لال قلعہ میں محدود تھی اور وہ بادشاہ جو کسی زمانہ میں ہندوستان کے ۲۲ عظیم الشان صوبوں کا حکمران تھا آج اسکا قبضہ ۲۲ گاؤں پر بھی باقی نہیں رہ گیا تھا بقول سودا ؎

جو ایک شخص تھا بائیس صوبہ کا خاوند
رہی نہ اسکے تصرف میں فوجداری کول

ملک میں کوئی ایک طاقت نہ تھی جو بدنظمی اور طوائف الملوکی کا سد باب کرتی جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں قائم ہو چکی تھیں - اور ان کے آپسمیں بھی خانہ جنگیاں برپا تھیں - وسط ہند میں لٹیروں اور پنڈاریوں کا زور تھا - عام بدنظمی - لوٹ مار - اور تباہی چھائی ہوئی تھی - لوگوں کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا - نہ کہیں امن و اطمینان میسر تھا - اس دور میں بڑے بڑے آباد شہر بھی برباد ہو گئے اجمیر بھی زمانہ کی دستبرد سے محفوظ نہ رہا - ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہونے کے بعد اجمیر میں امن و اطمینان کی صورت پیدا ہوئی - شہر پھر آباد ہونے لگا اور دن بدن ترقی کرنے لگا -

ریل اور تار - یکم اگست ۱۸۷۵ء کو اجمیر سے آگرہ تک راجپوتانہ اسٹیٹ ریلوے کی تعمیر ختم ہوئی - یہ چھوٹی لائن تھی ۱۸۸۲ء میں اجمیر سے کھنڈوا تک کی شاخ بھی تیار ہو گئی اور اسکا نام راجپوتانہ مالوہ ریلوے سے تبدیل ہو گیا - کچھ عرصہ پہلے یہ شاخ بی - بی اینڈ سی

آئی ریلوے کمپنی سے ملحق کر دی گئی۔ ماہ جون ۱۸۶۴ء میں اجمیر سے آگرہ اور ڈلیسہ تک تار برقی کا سلسلہ بھی مکمل ہوگیا۔ ۱۸۸۰ء میں یہاں ریلوے کے دو کارخانے لوکو اور کیرج شاپ قایم ہوئے اور پھر وقتاً فوقتاً ریلوے کے کئی دفتر جاری ہوئے۔ اسوقت یہاں بی۔ بی اینڈ سی آئی ریلوے کے حسب ذیل دفاتر ہیں۔

(۱) آڈٹ آفس
(۲) دفتر ٹریفک سپرنٹنڈنٹ
(۳) " انجینئر انچیف
(۴) " لوکو موٹو سپرنٹنڈنٹ
(۵) " کیرج ویگن سپرنٹنڈنٹ
(۶) " ایگزیکیٹو سپرنٹنڈنٹ

ان کارخانجات اور دفاتر میں قریباً دس بارہ ہزار آدمی ملازم ہیں اسلئے شہر کی آبادی اور ترقی میں ریلوے کو بھی بہت کچھ دخل ہے ریل و تار کے اجرا سے اجمیر کی آبادی اور تجارت نے بھی نمایاں ترقی کی اور آج بھی یہاں کی آبادی کا معقول حصہ صرف ریلوے کا ملازم ہے بلکہ یورپین آبادی کا تو ۹/۱۰ حصہ صرف ریلوے سے متعلق ہے۔

ملکی انتظام۔ ۱۸۴۲ء تک اجمیر اور میرواڑہ دو علیحدہ علیحدہ ضلع تھے انتظام ان کا دو سپرنٹنڈنٹوں کے ہاتھ میں تھا جو آپس میں ایک دوسرے سے بالکل آزاد تھے لیکن اسی سال یہ دونوں اضلاع ملحق کر کے اس کا نام ضلع اجمیر میرواڑہ رکھا گیا۔ اور ایک سپرنٹنڈنٹ اسکے انتظام کے لئے مقرر کیا گیا۔ اسی متحدہ ضلع کے پہلے سپرنٹنڈنٹ کرنل ڈکسن تھے جنہوں نے باشندگان ضلع کے لئے اس نواح میں اپنے عہد کی بہت

سی مفید یادگاریں چھوڑی ہیں ۱۸۵۳ء میں کرنل ڈکسن کو کمشنر بنادیا گیا لیکن ۱۸۵۷ء میں ان کے مرنے کے بعد کسی جدید کمشنر کا تقرر نہیں ہوا اور ایک ڈپٹی کمشنر ضلع کا انتظام کرتا رہا اور ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ جو اسوقت ممالک مغربی و شمالی کے ماتحت تھا اسکی نگرانی کرتا رہا ۱۸۷۱ء میں اس ضلع کو ممالک مغربی و شمالی سے علیحدہ کر کے ایک چیف کمشنر اسکے انتظام کے لئے مقرر کیا گیا جسکا تعلق براہ راست گورنمنٹ آف انڈیا کے فارن ڈپارٹمنٹ سے ہے یہی چیف کمشنر اپنی دوسری حیثیت میں راجپوتانہ کا ایجنٹ گورنر جنرل بھی ہوتا ہے۔ اسکو اس ضلع کی ہائیکورٹ کے اختیارات بھی حاصل ہیں۔ چیف کمشنر کے بعد ضلع کا سب سے بڑا حاکم کمشنر ہے اور اسکے ماتحت اسسٹنٹ کمشنر ہے۔ یہ ضلع اب تک غیر آئین ہے لیکن ۱۹۲۴ء سے لیجسلیٹو اسمبلی میں اسکو ایک نمائندہ کے انتخاب کا حق ملا ہے

پولیس:۔ ۱۸۶۱ء تک اس ضلع میں پولیس کا محکمہ قایم نہیں ہوا تھا۔ ۱۸ جنوری ۱۸۸۲ء کو ۸۰۵ کانسٹبلان کا ایک فورس ایک ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ماتحت جاری کیا گیا۔ اسوقت اس ضلع میں پولیس کے ۱۸ تھانے ہیں اور پولیس کے انتظام کی حیثیت سے چار حصوں پر منقسم۔ ہر حصہ پر ایک سرکل انسپکٹر متعین ہے۔ اسوقت ایک پولیس سپرنٹنڈنٹ ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پانچ انسپکٹر اور ۹۵۳ ماتحت افسر و کانسٹبل ہیں سالانہ بجٹ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے قریب ہے۔

میونسپل:۔ شہر اجمیر کو ۱۸۶۹ء میں میونسپلٹی کے حقوق دئے گئے اور ۱۸۸۶ء تک ممالک مغربی و شمالی کے میونسپل ایکٹ کے مطابق انتظام رہا اسوقت تک گورنمنٹ کی جانب سے ممبروں کی نامزدگی ہوتی تھی اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اسکا چیرمین تھا لیکن ۱۸۸۶ء میں اجمیر میونسپلٹی ریگولیشن نمبر ۵ منظور ہوا اور ۱۸۸۸ء سے اسکا اجرا عمل میں آیا

اس ریگولیشن کی رو سے اجمیر میونسپلٹی میں ۲۳ ممبر ہیں جن میں سے ۱۸ شہر کے مختلف حلقوں سے منتخب ہوتے ہیں اور ۵ کو گورنمنٹ نامزد کرتی ہے۔ چیرمین ممبرانِ کمیٹی کے علاوہ منتخب ہوتا ہے اور اسکو ممبران کمیٹی منتخب کرتے ہیں۔ باشندگان شہر کی آرام و آسائش میں میونسپل سے کوئی نمایاں اضافہ نہیں ہوا۔ سڑکوں صفائی روشنی و آب رسانی کا انتظام بدستور خراب ہے

صنعت وحرفت ۔ اجمیر میں گوٹہ کناری اور کپڑے رنگنے کا کام بہت کثرت سے ہوتا ہے یہاں کی رنگی ہوئی ململین اور نین سکھہ تمام راجپوتانہ ۔ مالوہ ۔ برار خاندیش اور دور دراز ممالک میں جہاں مارواڑی رہتے ہیں جاتی ہیں۔ گوٹہ کناری اور لپہ گوکھرو کا کام یہاں بہت ہوتا ہے سلمہ ستارہ کلابتو وغیرہ کا کام بھی ہوتا ہے ۔ اجمیر کا گوٹہ ۔ دہلی کے بنے ہوئے گوٹہ سے بہت مختلف ہوتا ہے اور مارواڑی بالعموم اسی کو پسند کرتے ہیں۔ تانبے اور پیتل کے برتن بھی یہاں بنتے ہیں۔ سونے اور چاندی کی زیورات بھی بنائے جاتے ہیں۔ لکڑی کی جالیاں بنانے میں اجمیر کے معمار بہت مشہور ہیں اور یہاں کی بنی ہوئی جالیاں ۱۹۰۲ء میں دہلی کی نمائش میں بھی رکھی گئی تھیں ۔

تجارت :۔ زمانہ قدیم میں اجمیر راجپوتانہ کی تجارت کا مرکز تہا۔ ۱۶۱۴ء میں مسٹر ایڈورڈ ز نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے سورت کے کارخانہ کی شاخ یہاں بھی قایم کی تاکہ راجپوتانہ کی پیداوار یہاں سے باہر بھیجنے اور ولایتی اشیاء کی یہاں فروخت میں آسانی ہو۔ اسوقت راجپوتانہ کی تجارتی درآمد و برآمد کے لئے اجمیر بہت بڑی منڈی تہا لیکن اب اجمیر کی تجارتی حیثیت بہت گر گئی ہے اور بیاور جو اسی ضلع میں ایک بڑا قصبہ ہے ترقی کر رہا ہے پھر بھی ضرورت کی تمام اشیاء یہاں دستیاب ہو سکتی ہیں۔

تعلیم:- سنہ ۱۸۳۶ء میں یہاں ایک سرکاری مدرسہ جاری ہوا لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد ناگزیر اسباب سے بند ہوگیا۔ پھر سنہ ۱۸۵۱ء میں جاری کیا گیا۔ اور سنہ ۱۸۶۱ء میں اسکا الحاق کلکتہ یونیورسٹی سے کردیا گیا۔ اسوقت اس مدرسہ میں ایف۔ اے کے درجہ تک تعلیم تھی۔ سنہ ۱۸۶۹ء میں جنرل کیٹنگ ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ نے اُس عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جو آج گورنمنٹ کالج کی عمارت ہے۔ سنہ ۱۸۹۶ء میں بی۔ اے کے درجہ تک تعلیم اسمیں بڑھا دی گئی اور اس کا الحاق الہ آباد یونیورسٹی سے ہوگیا اسوقت شہر میں ۴ ہائی اسکول اور کئی پرائمری اسکول ہیں خانگی مکاتب و مدارس ان سے علاوہ ہیں۔ عربی تعلیم کے لئے ۲ دار العلوم ہیں لیکن تعلیم حالت قابل اطمینان نہیں ہے اور یہ لوگوں کی بے توجہی کا نتیجہ ہے۔ علمی و ادبی ذوق مفقود ہے سنہ ۱۸۷۵ء میں یہاں میو کالج کی عالیشان اور خوبصورت عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ یہ کالج راجپوتانہ کے رؤسا۔ جاگیردار اور ٹھاکروں کے بچوں کی تعلیم کے لئے مخصوص ہے اور ہندوستان میں اپنی نوعیت کی نرالی درسگاہ ہے۔

اجمیر کی شان:- اجمیر ایک صوبہ کا مرکزی مقام اور ہندوستان کا ایک بڑا مشہور اور تاریخی شہر ہے۔ ہر سال بے شمار یورپین سیاح اسکی تاریخی عمارات اور اسکے دلچسپ مناظر کی سیر کے لئے یہاں آتے ہیں۔ اجمیر کی قدیم ترین تاریخی عمارت قلعہ تاراگڈھ ہے اور یہ ایسی مناسب جگہ واقع ہوا ہے کہ ایک انگریز سیاح کا خیال ہے کہ تاراگڈھ کو ہندوستان کا جبل الطارق بنایا جاسکتا ہے۔ اجمیر کلید راجپوتانہ ہے اور جب کبھی کسی فاتح کو راجپوتانہ کی تسخیر کا خیال ہوا ہے اسنے اجمیر کی فتح کو مقدم سمجھا اور اپنی پوری قوت اسکی تسخیر میں صرف کی۔ دوسری صدی عیسوی سے سنہ ۱۸۵۸ء تک تاریخ ہند کے ڈرامہ کے اکثر سین صرف اجمیر سے متعلق ہیں اس لحاظ سے اجمیر کی تاریخی اہمیت میں کوئی شبہ نہیں لیکن حضرت خواجہ بزرگ علیہ الرحمۃ کی

ذات نے اجمیر کی شان و اہمیت میں ایک اور گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ خواجہ صاحب کی ذات نے اجمیر کو ہندوستان میں اشاعت دین کا بھی مرکز بنا دیا اور جب کبھی مختلف ممالک میں اشاعت اسلام کی تاریخ مدون ہوگی تو ہندوستان میں اشاعت اسلام کے ضمن میں اجمیر کا ذکر نہایت جلی حروف میں کیا جائیگا۔ اسلئے اجمیر کی پوزیشن نہ صرف تاریخ ہند کی حیثیت سے بلکہ تاریخ اسلام کے اعتبار سے بھی بہت ممتاز اور اہم ہے۔ اجمیر آج مسلمانوں اور بالخصوص خاندان چشتیہ کے متوسلین و متعلقین کی روحانیت و عقیدت کا ملجا و ماوا ہے۔ اجمیر ایک روحانی مرکز ہے اور نہ صرف مسلمان بلکہ خواجۂ بزرگ کے بیشمار ہندو عقیدتمند بھی اجمیر کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہر سال ہندوستان کے دور و دراز گوشوں سے ہزاروں لوگ اپنے دلوں میں خواجۂ بزرگ کی عقیدت و محبت کے جذبات لئے ہوئے زیارت کے لئے بیتاب سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے آتے رہتے ہیں ؎

ہجوم چشتیاں بر درگہش خوش منظرے دارد
کلیم اللہیان جمع اند گرد طور سینے

اجمیر کے مشہور تاریخی مقامات

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگان کئے ہوئے

درگاہ خواجہ صاحبؒ

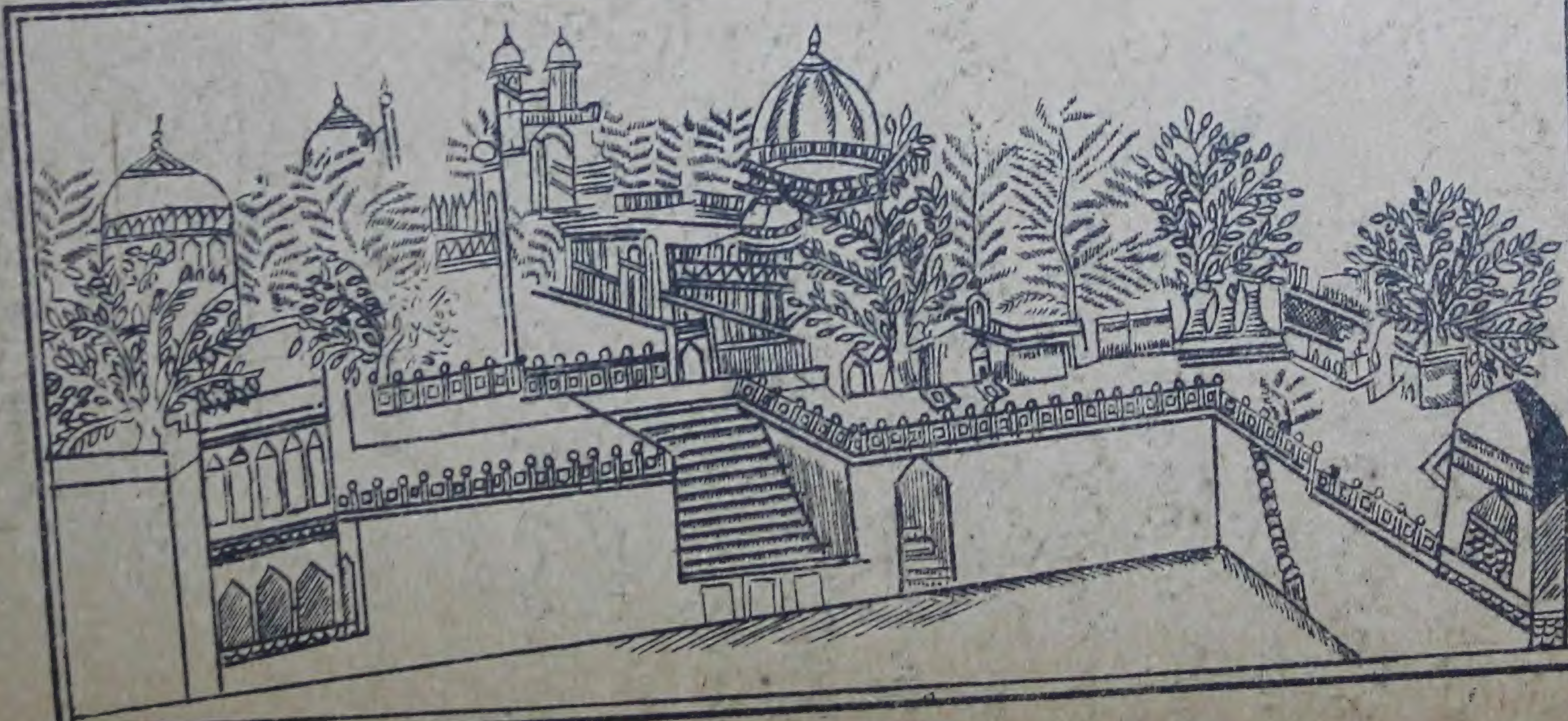
درگاہ خواجہ صاحب میں کئی مشہور اور تاریخی عمارتین ہیں۔ جو مختلف زمانوں میں مختلف معتقدین اور روساء نے تعمیر کی ہیں اور اب بھی یہہ اضافہ برابر جاری ہے۔ درگاہ شریف کی پہلی عمارت روضۂ منورہ ہے۔ جسکی تعمیر ۵۳۹ھ میں ختم ہوئی۔ اسکے بعد ہر عہد میں یہاں عمارتیں تعمیر ہوتی رہیں اور یہہ سلسلہ ہنوز ختم نہین ہوا۔ اور اسوقت تک جاری رہیگا جب تک خواجہ بزرگ کے عقیدت مند دنیا میں موجود ہیں۔ اِسوقت درگاہ شریف میں جو عمارات قابلِ ذکر ہیں اُن کا حال تحریر کرتے ہیں:۔ درگاہِ شریف تین احاطوں پر منقسم ہے۔ ہر احاطہ کی قابلِ ذکر عمارات یہ ہیں:۔

احاطۂ اول:۔ (۱) نقارخانہ عثمانی (۲) نقارخانۂ شاہجہانی (۳) اکبری مسجد

احاطہ دوم:۔ (۴) بلند دروازہ (معہ دیگ ہائے کلاں وخورد) (۵) محفل خانہ (۶) حوض شاہی (معہ یادگار ملکہ میری) وحجرہا۔

احاطہ سوم:۔ (۷) مسجد صندل خانہ (۸) روضہ منورہ (معہ بیگمی دالان او بہشتی دروازہ ومحجر حور النساء بیگم۔ وچلہ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ وبی بی حافظ جمال (۹) اولیائے مسجد۔ (۱۰) جامع مسجد شاہجہانی (۱۱) کرناٹکی دالان (۱۲) مزار نظام سقہ (۱۳) لنگرخانہ

نقشہ درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ واقع مقام اجمیر شریف



(۱۴) جھالرا (۱۵) احاطۂ چار یار (۱۶) سولہ کھمبہ (۱۷) مزار خواجہ حسین اجمیریؒ۔ (۱۸) خانقاہ (۱۹) مقبرہ شاہ قلی خان۔

نقار خانہ عثمانی:۔ ۱۹۱۲ء میں ہز اگزالٹیڈ ہائینس نواب آصف جاہ میر عثمان علی خاں بہادر بالقابہ والئی مملکت حیدرآباد دکن حصولِ سعادت و زیارت کی غرض سے اجمیر تشریف لائے۔ خاندانِ آصفیہ دکن کے یہ پہلے فرمانروا ہیں جو بطورِ خود اجمیر تشریف لاکر زیارت روضۂ منورہ سے بہرہ اندوز ہوئے۔ اور کئی روز تک یہاں قیام فرماکر اپنی فیاضی اور سخاوت کی داد دی۔ زمانۂ قدیم سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ جو والئی ملک یہاں حاضر ہوئے انہوں نے اپنی حاضری آستانہ کی یادگار قایم کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے۔ کسی نے عمارتیں بنوائیں۔ کسی نے دیگیں چڑھائیں۔ کسی نے چاندی کے کواڑ نذر کئے۔ کسی نے روضہ منورہ کو منقش کیا۔ بہرحال ہر شخص نے اپنے مذاق اور میلانِ طبیعت کے بموجب اپنی یادگار قایم کی۔ حضور شہریار دکن خلد اللہ ملکہ نے بھی اپنی یادگار قایم کرنیکے لئے۔ درگاہِ شریف کے زینۂ اوّلین پر ایک نقار خانہ تعمیر کرنیکا حکم دیا۔ چنانچہ یہ عالیشان دروازہ تعمیر کیا گیا جسمیں قریباً پچاس ہزار ۵۰۰۰۰ روپیہ صرف ہوئے۔ اس دروازہ کے اوپر ایک بارہ دری ہے جسمیں نوبت خانہ ہے اور دن میں پانچ وقت نوبت بجتی ہے۔ اسکا تمام صرفہ حضور نظام دکن دیتے ہیں جو پانسو ۵۰۰ روپیہ ماہوار ہے۔

نقار خانۂ شاہجہانی:۔ یہ نقار خانہ ۱۰۴۷ھ میں شاہجہان کے حکم سے تعمیر ہوا درگاہ بازار سے درگاہِ خواجہ صاحب کو جاتے ہوئے شاہی عمارت کا پہلا نظارہ تھا جو اپنی خوشنما وضعی کے باعث ہر آنے جانیوالے کی توجہ اپنی طرف منعطف کرلیتا تھا لیکن

جب سے درگاہ شریف کے زینہ اولین پر نقار خانۂ عثمانی تعمیر ہوا ہے ۔ اِسکا نمبر دوسرے درجہ میں ہے ۔ اسکی محراب پر بخط جلی کلمہ طیبہ اور یہہ کتبہ کندہ ہے ۔

بعہد شاہجہان بادشاہِ دین پرور زدوده ظلمت کفر زِ آفتاب دین یکسر

یہ دروازہ سنگ سرخ سے بنایا گیا ہے ۔ لیکن اسکے اندر و باہر کی فرش سنگ مرمر کی ہے ۔ دروازہ پر ایک بارہ دری ہے جس میں نوبت خانہ ہے ۔ یہ نوبت خانہ جہاں آرا بیگم بنت شاہجہان کا ہے ۔ اور اوسی نے درگاہ شریف میں نذر کیا ۔ اسمیں بھی مقررہ اوقات پر نوبت بجتی ہے ۔ اسی نوبت خانہ میں نقاروں کی ایک بہت بڑی جوڑی ہے جسکی ہمسر اہلِ نوبت درباروں میں مشکل سے ملیگی ۔ مشہور ہے کہ یہہ جوڑی شہنشاہِ اکبر قلعہ چیتوڑ گڈھ سے فتح کر کے لایا تھا اور اوسنے یہاں نذر کی تھی ۔ لیکن یہ روایت غلط ہے دراصل یہ جوڑی داؤد خاں والئی بنگالہ کی فوج کے ساتھ تھی ۔ اور معرکۂ بنگال میں بطور مالِ غنیمت اکبر کے ہاتھ لگی اور اکبر نے یہاں نذر کی طبقات اکبری مصنفہ مولانا نظام الدین کی مندرجہ ذیل عبارت ہمارے دعوے کی دلیل ہے :-

دراوائل رمضان المبارک ہوائے اجمیر از غبارِ نعال مراکب مشک بیز و عنبر آمیز گردید ۔ از گرد راہ بہ مزار منور الانوار خواجہ معین الحق والدین قدس سرہ فرمودہ لوازم زیارت و شرائط طواف بجا آوردند و از غنائم بنگالہ یک جفت دمامہ راکہ ادرا روز اول نذر حضرت خواجہ قدس سرہ جدا فرمودہ بودند آوردہ داخل نقارخانہ حضرت قدس سرہ فرمودند و بہ ہر روز بدستور قدیم بمزار فائض الانوار تشریف بردہ از صدقات و نذر خیرات فقرا و اہل احتیاج را از نوال بے نیاز گردانیدند ۔

اکبری مسجد:- یہ مسجد صحن نقارخانہ شاہجہانی سے جانب غرب ایک مرتفع کرسی پر واقع ہے۔ یہ مسجد جلال الدین محمد اکبر کے حکم سے ۹۸۰ھ میں سنگِ سرخ سے تعمیر ہوئی اس مسجد کا طول، ۱۵۰ فیٹ اور عرض قریباً اتنا ہی ہے۔ وسطی محراب ۵۶ فیٹ بلند ہے اور فتح پور سیکری کی مسجد کے دروازہ سے بہت مشابہ ہے اسکے دونوں بازؤں پر سنگِ مرمر کے نہایت خوشنما مینار بنے ہوئے ہیں یہ مسجد کا صدر دروازہ بھی سنگین ہے۔ صحنِ مسجد میں ایک ہشت پہلو حوض ہے اس مسجد کے نیچے جانب شمال پختہ لدائو دوکانیں بنی ہوئی ہیں۔ یہ مسجد بہت خوبصورت اور شاندار ہے۔ ایک عرصہ تک بے توجہ پڑی رہی لیکن کچھ عرصہ سے اسمیں ایک ابتدائی مدرسہ بچوں کی تعلیم کیلئے جاری ہے۔ اسکی مرمت آخری بار ۱۹۰۱ء میں نواب غفور خاں صاحب داناپوری کی جانب سے ہوئی تھی۔

بلند دروازہ

یہ رفیع الشان دروازہ تمام راجپوتانہ بلکہ شمالی ہند میں بھی اپنی رفعت و بلندی کی نظیر نہیں رکھتا۔ یہ دروازہ تمام و کمال سنگِ سرخ سے بنا ہوا ہے۔ اور اسقدر پائدار ہے کہ آج ساڑھے چار سو سال گذر جانے کے بعد بھی یہ ویسا ہی ہے۔ اور زمانہ کے گرم و سرد سے بہت کم متاثر معلوم ہوتا ہے۔ اسکی تعمیر کا ٹھیک سال نہیں معلوم ہوسکا۔ یہ تحقیق ہے کہ سلطان محمود خلجی یا اُسکے لڑکے غیاث الدین شاہِ مانڈو نے اِسکو تعمیر کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۴۳۵ء اور ۱۵۰۰ء کے درمیانی زمانہ میں تعمیر کیا گیا۔ اس دروازہ کی بلندی ۵۷ فیٹ ہے۔ محراب میں تین طلائی قمقمے آویزاں ہیں اسکے یمین و یسار سہ منزلہ چھتریاں بھی ہیں اور برجوں پر سنہری کلسیاں لگی ہوئی ہیں۔ اسکے فرش میں سنگِ مرمر اور سنگِ

نقشہ بلند دروازہ درگاہ خواجہ معین الدین چشتیؒ پیش بازار (بمقام اجمیر شریف)



اسود کے خوشنما چوکھٹے نصب ہیں۔

صحن چراغ:۔ بلند دروازہ کے جانب جنوب صحن میں ایک چھتری بنی ہے۔ اسمیں اشٹ دہات کا ایک قد آدم فتیل سوز زنجیروں سے بندھا ہوا ایستادہ ہے۔ یہ فتیل سوز جلال الدین محمد اکبر نے قلعہ چیتوڑ سے لاکر چڑھایا تھا۔ اسکے جانب شرق و غرب دو دیگہائے خورد و کلاں نصب ہیں۔ اسی صحن میں ایک زینہ دو زنہ راستہ بھی ہے جو فرش کے برابر سنگ پوش ہے۔ چند سیڑھیاں نیچے اُتر کر تہ خانہ ہے اور سرنگ کے طور پر مزار حضرت خواجہ علیہ الرحمتہ تک چلا گیا ہے۔

دیگ کلاں:۔ یہ دیگ بلند دروازہ کے متصل جانب غرب نصب ہے۔ جلال الدین محمد اکبر نے چیتوڑ پر حملہ کے وقت یہ عہد کیا تھا کہ اگر میں فتحمند ہوا تو واپسی کے وقت اجمیر حاضر ہو کر ایک بڑی دیگ چڑھاؤں گا۔ چنانچہ جب اُسنے چیتوڑ فتح کیا تو ایفائے عہد کی نیت سے اجمیر کی جانب کوچ کیا اور ۷۔ رمضان المبارک ۹۷۶ھ بروز یکشنبہ اجمیر پہونچکر زیارت سے مشرف ہوا۔ اور یہ دیگ چڑھائی۔ دیگ کا محیط قریباً ساڑھے تیرہ (۱۳½) گز ہے اور بیٹا بھی اتنا ہی ہے۔ اس دیگ میں سو من چاول علاوہ گھی میوہ و دیگر لوازمات پک سکتے ہیں۔ تاریخ دیگ یہ ہے۔

شاہِ دیں پرور و جمشید سریر	خسرو عہد محمد اکبر
ساخت بے شبہ پئے فتح چیتوڑ	دیگ روئیں تن داؤد در پیکر
بہر تاریخ دے از عالم غیب	دیگ چیتوڑ کشا شد یکسر

دیگ خورد:۔ چھوٹی دیگ صحن چراغ کے جانب شرق نصب ہے۔ اس دیگ کو اول نورالدین محمد جہانگیر نے ۱۰۲۲ھ میں آگرہ سے یہاں لاکر نصب کی۔ اور اسمیں پکانا

پکوا کر غربا اور مساکین کو تقسیم کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس دیگ سے پانچہزار آدمیوں نے
شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔ دیگ کی تیاری کی تاریخ یہ ہے:۔

بہ دنیا باد دائم نعمت دیگ جہانگیری

اس دیگ میں قریباً ۶۰ من کھانا علاوہ دیگر لوازمات تیار ہوتا ہے۔

چونکہ دیگوں کو بنے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا اور کثرت استعمال سے جا بجا سوراخ ہو کر بیکار
ہو گئی تھیں اسلئے ملا مداری مدار المہام ریاست گوالیار نے سیٹھ اکھے چند مہتہ کے اہتمام
سے ۱۲۶۶ھ میں دونوں دیگیں از سر نو تیار کرائیں۔ دیگوں کے کناروں پر یہ تاریخ کندہ ہے

صرف زر ملا مداری کرد در تعمیر دیگ | باد نامش در جہاں روشن بمثل آفتاب
بحضور مہتہ اکھے چندش نمودہ اہتمام | گفت ہاتف سال تاریخش جہاں شد فیضیاب

ملا مداری کی بنوائی ہوئی دیگیں بھی خراب ہو گئیں تو ۱۸۸۹ء میں نواب بشیر الدولہ امیر
آسمان جاہ بہادر نے دیگ کلاں کے پیمانہ کی نئی دیگ بنوا کر نصب کی اور ۱۸۹۶ء میں
نواب عالم علی صاحب رئیس حیدرآباد نے دیگ خورد نئی بنوا کر نصب کی۔

اکثر رؤسا اور متمول زائرین یہ دیگیں پکواتے ہیں۔ ایام عرس میں مشکل سے کوئی
دن ایسا ہوتا ہو گا جب یہ دیگیں دونوں خواہ ایک نہ پکتی ہو۔ حقیقتاً یہ دیگیں مساکین
اور مسافران آستانہ کو کھانا تقسیم کرنیکی غرض سے پکوائی جاتی ہیں مگر ایک عرصہ سے ان کا
کھانا لوٹا جاتا ہے اور آجکل یہی دستور ہے۔ ان دیگوں میں خاص خاص متعلقین درگاہ کے
حقوق ہیں۔ ان حقداروں کی طرف سے جو اشخاص وہاں دیگ پر کھانا لوٹتے ہیں وہ
ایک خاص لباس اور عجیب ہیئت سے آتے ہیں۔ اور کھانا لوٹنے کے لئے وہ ادھر
دیگ پر کود پڑتے ہیں۔ اسوقت کا نظارہ قابل دید ہوتا ہے۔ لیکن کھانا لوٹتے ہیں جو بے

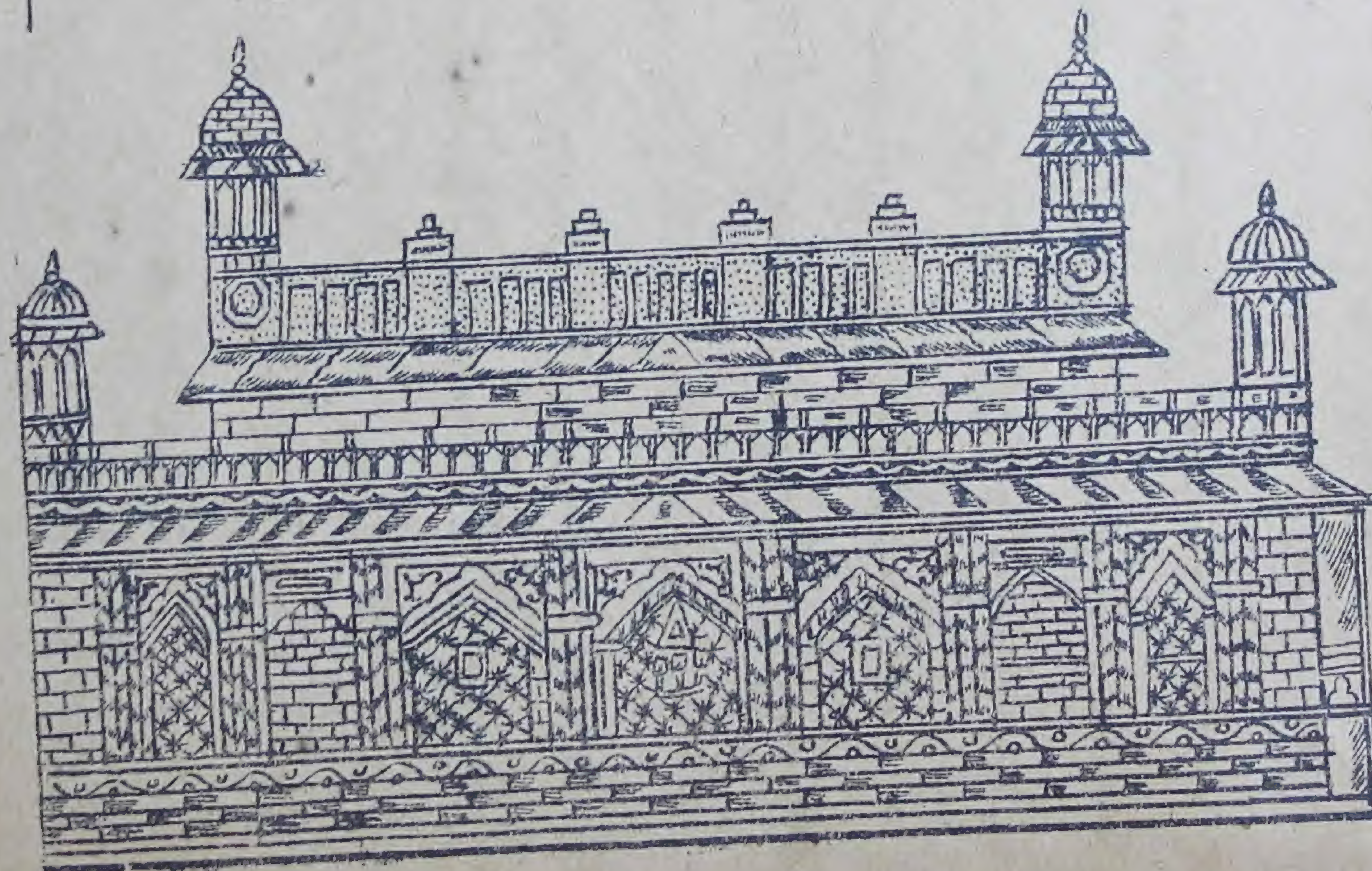
ادبی اور بے ترتیبی روا رکھی جاتی ہے۔ وہ ایک حد تک قابلِ تحسین نہیں ہے۔ اسی خیال سے اکثر نیک دل متعلقین درگاہ ان لوگوں کو جو دیگ چڑھانا چاہتے ہیں اس خرابی دانیال سے بھی متنبہ کر دیتے ہیں۔

محفل خانہ یا سماع خانہ

یہ محفل خانہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۱ء میں نواب بشیر الدولہ سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام ریاست حیدر آباد دکن نے تعمیر کرایا یہ ۴۶ فیٹ مربع ایک نہایت وسیع اور عالیشان ہال ہے جسکے چاروں طرف ۱۴ فیٹ عریض غلام گردش ہے۔ اسکی تعمیر سے پہلے یہاں کھلا ہوا میدان تھا۔ اور ایام عرس میں ایک بہت بڑا شامیانہ ایستادہ کیا جاتا تھا جسکو دل بادل کہتے تھے اور اُسکی تیاری میں ہر سال یا دوسرے سال خزانہ درگاہ شریف سے ہزارہا روپیہ صرف ہوتا تھا۔ اس عمارت کی تعمیر سے یہ صرف بچگیا۔ ایام عرس میں چھ شب اور چھ رجب کو دن کے وقت یہاں محفل منعقد ہوتی ہے۔ اس محفل خانہ میں بڑے بڑے بلوری جھاڑ آویزاں ہیں۔ جن میں بڑی آب و تاب سے روشنی ہوتی ہے جو عجیب لطف دیتی ہے۔ جسوقت یہ تمام جھاڑ روشن ہوتے ہیں تو عجیب منظر ہوتا ہے اس عمارت کے متعلق روشنی وغیرہ کے تمام انتظامات سر آسمان جاہ بہادر کی جانب سے ہوتے ہیں۔

حوض شاہی۔ شاہجہانی مسجد کے نمازیوں و نیز زائرین روضہ کے با وضو اندر داخل ہونے کی غرض سے یہ حوض تعمیر کیا گیا۔ اور ہمیشہ پانی سے ملبب رہتا ہے۔ اس حوض میں ایک فوارہ بھی لگا ہوا ہے۔ ۱۹۱۱ء میں دربار دہلی سے واپسی کے وقت

مجلس خانہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ بمقام اجمیر شریف



جنابہ ملکہ معظمہ میری اجمیر رونق افروز ہوئیں اور زیارت درگاہ معلے کے لیئے تشریف لائیں۔ جنابہ ملکہ معظمہ نے ارشاد فرمایا کہ انکی حاضری دربار خواجہ کی یادگار میں ایک عمارت تعمیر کی جائے اور اسی مقصد کے لیئے ضمناً پانسو روپیہ بھی عنایت فرمایا۔ منتظمین درگاہ شریف نے حسب الارشاد حوض مذکورہ بالا پر ایک سنگین بارہ دری تعمیر کی جس پر سنگ مرمر کے چوکھٹے میں یہ عبارت کندہ ہے:۔

حضور ملکہ معظمہ کوئن امپرس میری صاحبہ کے درگاہ ملاحظہ
فرمانیکی یادگار میں یہ عمارت تعمیر کروائی گئی۔ مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۱۱ء

چند سال قبل ایام عرس میں گروہ مداریہ کے درویش حوض کے اندر وجدانہ وار گشت کیا کرتے تھے۔ جسکے سبب اسکو دھمال خانہ بھی کہتے ہیں۔

اب یہاں سے احاطۂ اندرونی درگاہ شریف شروع ہوتا ہے۔ اس احاطہ کے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازہ صحن چراغ کے میدان میں ہے۔ اور دوسرا حوض شاہی سے متصل صحن چراغ کے میدان والے راستہ سے سیدھا صندل خانہ کی مسجد کے روبرو ہو کر بیگمی دالان کی جانب سے خواجہ صاحب کے مزار کا راستہ ہے۔ دوسرے دروازہ سے جو محفل خانہ کے متصل ہے جامع مسجد اور حجرہ شیخ فرید گنج شکرؒ اور جھالرہ وغیرہ کا سیدھا راستہ ہے۔ اس دوسرے دروازہ پر حسب ذیل اشعار کندہ ہیں:۔

چو ساخت این دریچہ فیض پیر شمعانی	زمین فضل و عنایات حضرت معبود
نمونہ الیست چو این در زباب خلد برین	خرد چو دید بگفت در بہشت نمود

احاطۂ اندرونی میں اول الذکر دروازہ سے داخل ہوتے ہی مسجد صندل خانہ آتی ہے

مسجد صندل خانہ:۔ اس مسجد کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ایک یہ کہ ۸۵۹ھ نبوی میں سلطان محمود خلجی شاہ مانڈو کے حکم سے تعمیر ہوئی دوسری روایت یہ ہے کہ اس مسجد کو جہانگیر نے تعمیر کیا۔ یہ تحقیق ہے کہ ۱۰۲۱ھ ۱۶۱۰ء میں جہانگیر نے ایک مسجد تعمیر کی اور وہ یہی ہے۔ یہ مسجد روضۂ منورہ کی شمالی دیوار سے ملحق ہے۔ اسکی دیواریں خشتی اور چھت سنگین ہے۔ ۱۸۹۷ء میں نواب محمد اسحاق خان رئیس جہانگیر آباد نے اسکی مرمت کرائی۔ کچھ عرصہ پہلے ایک باہمت بزرگ نے فرش مسجد میں سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کے خوشنما چوکٹے نصب کرادئے۔ جس سے مسجد کی آراستگی وزیبائش دوچند ہو گئی۔ مسجد کی اندرونی و بیرونی محرابوں پر آب زر سے طغرے اور اشعار منقش ہیں۔ اِس مسجد کے ایک گوشہ میں خواجۂ بزرگ کے مزار کے لئے صندل گھسا جاتا ہے۔ اسلئے یہ مسجد صندل خانہ کے نام سے مشہور ہے۔

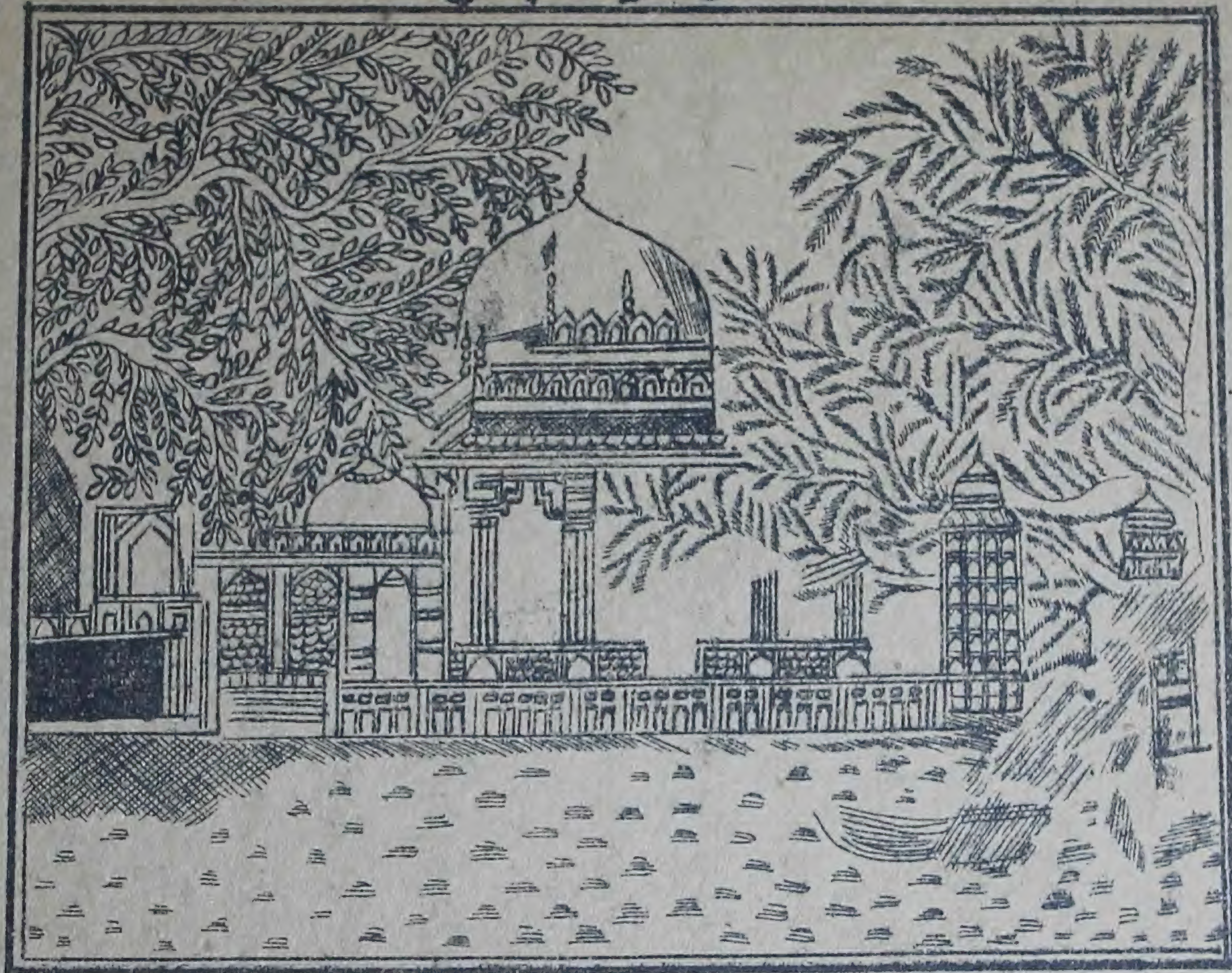
اِس مسجد کے جانب شمال ایک احاطہ ہے جسپر چنبیلی کے درخت سایہ افگن ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ خواجہ صاحب کی ہر دو ازواج یہیں مدفون ہیں۔

حجرۂ فرید شکر گنج:۔ یہ حجرہ مسجد صندل خانہ کے نیچے ہے اور اوس کا دروازہ مسجد کی پشت پر ہے۔ اِس حجرے میں دور تک تہ خانے بنے ہوئے ہیں مگر انکے دروازوں میں تیغہ لگا ہوا ہے اسلئے گذر کے قابل نہیں ہیں۔ خواجۂ بزرگ کے مزار خام کا راستہ یہی ہے اس حجرے کا دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا ہے صرف ۵ محرم الحرام کو کھلتا ہے

روضۂ منورہ

روضۂ منورہ کی تعمیر سلطان غیاث الدین خلجی شاہ مانڈو کے عہد میں خواجہ حسین ناگوری

نقشہ روضہ منورہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ بمقام اجمیر شریف



کے اہتمام سے ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ روضۂ منورہ کا ایک دروازہ خود بادشاہ مانڈو نے تعمیر گنبد کے بعد بنوایا ہے۔ روضۂ شریف کی تعمیر کا کل کام ۹۳۹ھ میں ہوا۔ مزارِ مبارک کی تعمیر کا اجرا خواجہ حسین ناگوری علیہ الرحمۃ کی وساطت سے بدین وجہ ہوا کہ آپ صوفی حمید الدین ناگوری کی اولاد سے تھے اور صوفی صاحب حضرت خواجہ بزرگ علیہ الرحمۃ کے خلیفہ تھے۔ اسی سلسلہ کی وجہ سے خواجہ حسین علیہ الرحمۃ کو خواجہ بزرگ کے مزار کی حفاظت کا بہت خیال تھا اسلئے کہ اسوقت یہاں ایک غیر آباد جنگل تھا اور درندہ جانوروں کا خوف تھا۔ لیکن خواجہ حسینؒ یہیں رہتے تھے اور اون کو درندوں کا کوئی خوف نہیں تھا۔ اسلئے کہ بقول سعدی شیرازی ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

خواجہ حسینؒ کو ایک مدت اسی طرح گذر گئی اور آپ خواجہ بزرگ کے مزار کی تعمیر کے لئے کسی موقعہ کے منتظر رہے کیونکہ سلطان غیاث الدین خلجی شاہِ مانڈو کو آپ سے بیحد عقیدت تھی اور وہ آپ کی صحبت سے مستفیض ہونے کے لئے بیتاب تھا۔ اسی فرطِ اشتیاق میں وہ بارہا آپکی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن آپ نے اسکی ملاقات سے انکار فرمایا۔ سلطان نے ایک دفعہ مشیرانِ دربار سے اپنی یہ آرزو ظاہر کی۔ اور اُنسے اس باب میں مشورہ کا طالب ہوا ندماء نے مشورہ دیا کہ خواجۂ موصوف عاشقِ رسول ہیں اگر اون کو یہ پیغام دیا جائے کہ میرے پاس حضرت سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کے تبرکات ہیں تو یقیناً یہ خبر انکے لئے باعثِ انبساط ہوگی اور وہ فوراً تشریف لے آئینگے۔ بادشاہ نے یہ بھی

پسند کی اور معًا خواجہ موصوف کو یہ پیغام بھیجدیا۔ آپ نے یہ خبر سنی تو آپ کے دل میں تبرکاتِ نبوی کی زیارت کا ولولہ پیدا ہوا اور سلطان غیاث الدین کے دربار میں تشریف لیگئے۔ سلطان نے ارادت و عقیدت نیاز مندانہ ظاہر کی اور بیشمار تحائف و ہدایا پیش کئے۔ آپنے قبول فرمانے سے انکار کردیا لیکن آپ کے صاحبزادے نے ان تحایف کے اور نذرانہ کے قبول کرنے پر اصرار کیا۔ چونکہ آپ کے مدِّنظر بھی خواجہ بزرگ علیہ الرحمۃ کے مزار پر گنبد کی تعمیر کا خیال تھا۔ آپ نے اس شرط پر وہ تحائف اور نذرانے قبول فرمائے کہ اس رقم سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کے مزار پر گنبد بنائی جائے چنانچہ اس رقم سے یہ مقبرہ تعمیر کیا گیا۔ گنبد کے اندر نقاشی کا کام ۹۳۹ھ میں کیا گیا ہے روضہ کی غربی دیوار میں سنگ مرمر کی جالی پر یہ تاریخ کندہ ہے۔

از پئے تاریخ نقش گنبد خواجہ معین — گفت ہاتف گو مُعظّم قبہ عرش برین

آجکل گنبد پر ایک تاج نما سنہری کلس نصب ہے جو ۱۸۸۰ء میں نواب مشتاق علی خاں والئی رامپور نے نذر کیا تھا۔ گنبد کے ہر چہار طرف چھوٹی چھوٹی سنہری کلسیاں لگی ہوئی ہیں۔ گنبد کے اندر لاجوردی اور سنہری کام ہے۔ اور چھت میں کاشانی مخمل کی چھت گیری لگی ہوئی ہے جسکے چاروں گوشوں پر سنہری زنجیروں میں طلائی قمقمے آویزاں ہیں جن کی قیمت کا تخمینہ پانچ ہزار کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ ہر طرف چاندی کی بہت سے قمقمے آویزاں ہیں۔ روضۂ منورہ کی دیواروں میں سنہری چوکھٹوں کے اندر آئینے نصب ہیں۔ اور مندرجہ ذیل اشعار آبِ زر سے لکھے ہوئے ہیں :-

خواجۂ خواجگان معین الدین — اشرفِ اولیائے روئے زمین
آفتابِ سپہر کون و مکان — بادشاہِ سریر ملک یقین

در جمال و کمال او چہ سخن — این ہمین بود بحسن حصین
مطلع در صفاتِ او گفتم — در عبادت بود چو دُرِّ ثمین
اے درت قبلہ گاہِ اہل یقین — بر درت مہر و ماہ سودہ جبین
روئے بر در گہت ہمی سائید — صد ہزاران ملک چو خسرو چین
خادمان درت ہمہ رضوان — در صفا روضہ ات چو خلد برین
ذرّۂ خاکِ او عبیر سرشت — قطرۂ آبِ او چو ماءِ معین
الٰہی تا بود خورشید و ماہی — چراغ چشتیان را روشنائی
جانشین[1] معین خواجہ حسین — بہر نقاشیش بگفت چنین
کہ شود رنگ تازہ کہنہ زنو — قبۂ خواجہ معین الدین

مزار پر پہلے صندل کا چھپر کھٹ تھا۔ جسپر سیپ کا نہایت باریک اور عمدہ کام کیا ہوا تھا۔ لیکن بمبئی کے ایک تاجر نے اِس پر چاندی کا پتر چڑھوا دیا ہے۔ چھپر کھٹ کے چاروں گوشوں پر بھی طلائی قمقمے آویزاں ہیں۔ اسکی چھت میں سبز و زرد رومی مخمل کی چھت گیری ہے۔ آپکا مزار بیش قیمت سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اور اس پر سنگ طلائی۔ فیروزہ لیشب الجوبہ اور لمنسیہ کی پچیکاری ہے۔ مزار ہمیشہ کمخواب تمامی مشجّر کے قبر پوشوں سے ڈہکا رہتا ہے۔ اور اسپر پھولوں کی چادر پڑی رہتی ہے۔ چھپر کھٹ کے گرد چاندی کا کٹہرہ لگا ہوا ہے جسکی قیمت کا تخمینہ ایک لاکھ روپیہ کیا جاتا ہے۔ پہلے اِس کٹہری کی جگہ سونے کا کٹہرہ تھا۔ جو ۱۰۲۵ھ میں شاہنشاہِ

[1] ان سے مراد خواجہ حسین اجمیریؒ ہیں جو خواجہ حسین ناگوری کے بعد ہوئے ہیں۔ آخر کے دو شعروں سے پتہ چلتا ہے کہ گنبد کی دوبارہ نقاشی خواجہ حسین اجمیری کے عہد میں ہوئی ۱۲

جہانگیر نے نذر کیا تھا جسکی قیمت ایک لاکھ دس ہزار روپیہ تھی - اس کٹہرہ سے دو فیٹ کے فاصلہ پر چاندی کا دوسرا کٹہرہ ہے جسکو راجہ جے سنگہ بہادر والئی ریاست جے پور نے بنوایا تھا - اسکا وزن بیالیس ہزار نو سو اکسٹھ تولہ نو ماشہ ہے - روضہ کی فرش سنگ مرمر کی ہے اور اس پر سنگ موسیٰ کی پچیکاری ہے - گنبد کے دو دروازہ ہیں ایک جنوبی اور ایک شرقی - شرقی دروازہ سے ملحق چپ و راست دو حجرے ہیں - ایک کے دروازہ میں تیغہ لگا ہوا ہے - اور مشہور ہے کہ اسمیں سونے کی سلاخیں اور سیمین و طلائی ظروف محفوظ ہیں - دوسرا دروازہ کھلا ہوا ہے - اس دروازہ میں کواڑوں کی جوڑی چڑہی ہوئی ہے جو شہنشاہ اکبر قلعہ چتوڑ سے لایا تھا - اس جوڑی پر یہ شعر کندہ ہے :-

رکھے ہمیشہ تیغ تیری کارِ کفر تباہ — بحقِ اشہدان لا الہ الا اللہ

اس دروازہ سے آگے روضہ منورہ کا جو دروازہ بیگمی دالان میں ہے اسکی دیوار پر یہہ اشعار تحریر ہیں :-

بیا کہ کعبۂ اہلِ دل است خواجہ معین — طوافِ مرقدِ او می کنند شاہ و گدا
ز راہِ صدق درآ در مقام خواجہ معین — کہ ہست روضۂ پاکش چو جنت الماویٰ

نواب فیض اللہ بنگش مرحوم رئیس فرخ آباد نے ۱۳۴۲ھ میں باہر والے دروازہ میں ایک کواڑوں کی جوڑی چڑھائی جسپر یہ تاریخ کندہ ہے -

خان فیض اللہ خان بنگش کہ نگاہش عالی است — ساخت دروازۂ درگاہِ معین جاوید
چونکہ درگاہِ معین است چو خورشیدِ بلند — سالِ تاریخ شدہ باب طلوعِ خورشید

اس دروازہ کے شمالی رُخ پر ایک بہت بڑا زرد رنگ کا عقیق یمنی جڑا ہوا ہے - گنبد کے

دونوں دروازوں میں نیز بہشتی دروازہ میں بھی کواڑوں کی جو جوڑیاں چڑھی ہوئی ہیں اُن پر چاندی کے پتر منڈھے ہوئے ہیں۔

بیگمی دالان:۔ یہ رفیع الشان دالان گنبد کے شرقی دروازہ کی جانب ہے اور مقبرہ سے بالکل ملحق ہے گویا گنبد کا شرقی دروازہ اسی دالان میں ہے۔ یہ دالان ۱۰۵۳ھ میں جہان آرا بنت شاہجہان کے حکم سے تعمیر ہوا یہ دالان سرتاپا سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے۔ اسکا فرش سنگ افشان اور ابری کی ہے۔ ہر چہار طرف بلوری جھاڑ اور بجلی کے قمقمے آویزان ہیں۔ اور رنگین سنہری نقش و نگار سے تمام اندرونی حصہ پر ہے۔ اسکے کنگوروں پر طلائی کاسیاں لگی ہوئی ہیں اس دالان کی سامنے ایک وسیع احاطہ ہے جسکی فرش سنگ مرمر کی ہے۔ اور اسکے چاروں طرف سنگ مرمر کا ایک کٹھرہ ہے۔ اس دالان کے سامنے ہمیشہ شامیانہ لگا رہتا ہے۔

احاطہ نور:۔ روضہ کے جانب غرب جنوب اور کسیقدر حصہ شمالی تک ایک بلاسقف احاطہ ہے یہ احاطہ نور کے نام سے مشہور ہے۔

بہشتی دروازہ:۔ اس احاطہ کے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازہ جانب مغرب ہے۔ اسکا نام بہشتی دروازہ ہے۔ یہ جامع مسجد کے بالکل مقابل ہے یہ دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا ہے۔ صرف ایام عرس میں یکم رجب سے ۶ رجب تک کھلا رہتا ہے یا عاشورہ محرم پر کھلتا ہے۔ مشہور ہے کہ جو شخص سات بار اس دروازہ سے گذرے وہ جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس دروازہ پر بھی بیرونی جانب سنہری اور رنگین نقش و نگار کئے ہوئے ہیں۔

پائنداز دروازہ:۔ یہ احاطہ نور کا جنوبی دروازہ ہے اسپر بھی سنہری اور رنگین نقش و

نگاری کا خوبصورت کام کیا ہوا ہے۔ اس دروازہ کے باہر دونوں جانب دو بلا سقف احاطے ہیں جنکے گرد قد آدم سنگ مرمر کی چار دیواری ہے اسمیں اکثر پردہ نشین عورتیں جو درگاہ میں زیارت کی غرض سے آتی ہیں بیٹھتی ہیں۔ مشرقی احاطہ میں جو مزارات ہیں وہ شاہان مانڈو کے بتلائے جاتے ہیں اور مغربی احاطہ کے مزارات کے متعلق مشہور ہے کہ وہ خواجۂ بزرگ علیہ الرحمۃ کے پوتے خواجہ حسام الدین سوختہ کے فرزندوں کے مزارات ہیں۔

محجر حور النسا بیگم:۔ ۱۰۲۵ھ میں شاہجہاں کی بڑی لڑکی حور النسا یا گیتی آرا بیگم نے اجمیر میں انتقال کیا اور یہاں دفن کی گئیں۔ جہانگیر کو اس موقعہ پر بہت صدمہ ہوا تھا اسلئے کہ اسکو اپنی پوتی سے بہت محبت تھی۔ جہانگیر نے اس واقعہ کا ذکر تزک جہانگیری میں بھی کیا ہے حور النسا کی قبر پر سنگ مرمر کا ایک مقبرہ بنا دیا گیا۔ یہ مقبرہ روضہ کی غربی دیوار سے ملحق ہے۔ اسکے کواڑ بھی سنگ مرمر کے تھے لیکن اب ان کا پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہوئے۔ تعویذ قبر پر عقیق یمنی کی ایک بیش قیمت تختی جڑی ہوئی ہے عوام الناس اسپر پیسے اور کوڑیاں پھینکا کرتے تھے۔ چونکہ اس لوح کے اسطرح ٹوٹ جانے کا اندیشہ تھا اسلئے دروازہ پر تیغہ لگا دیا ہے۔ اور جالیاں بھی بند کر دی گئی ہیں۔

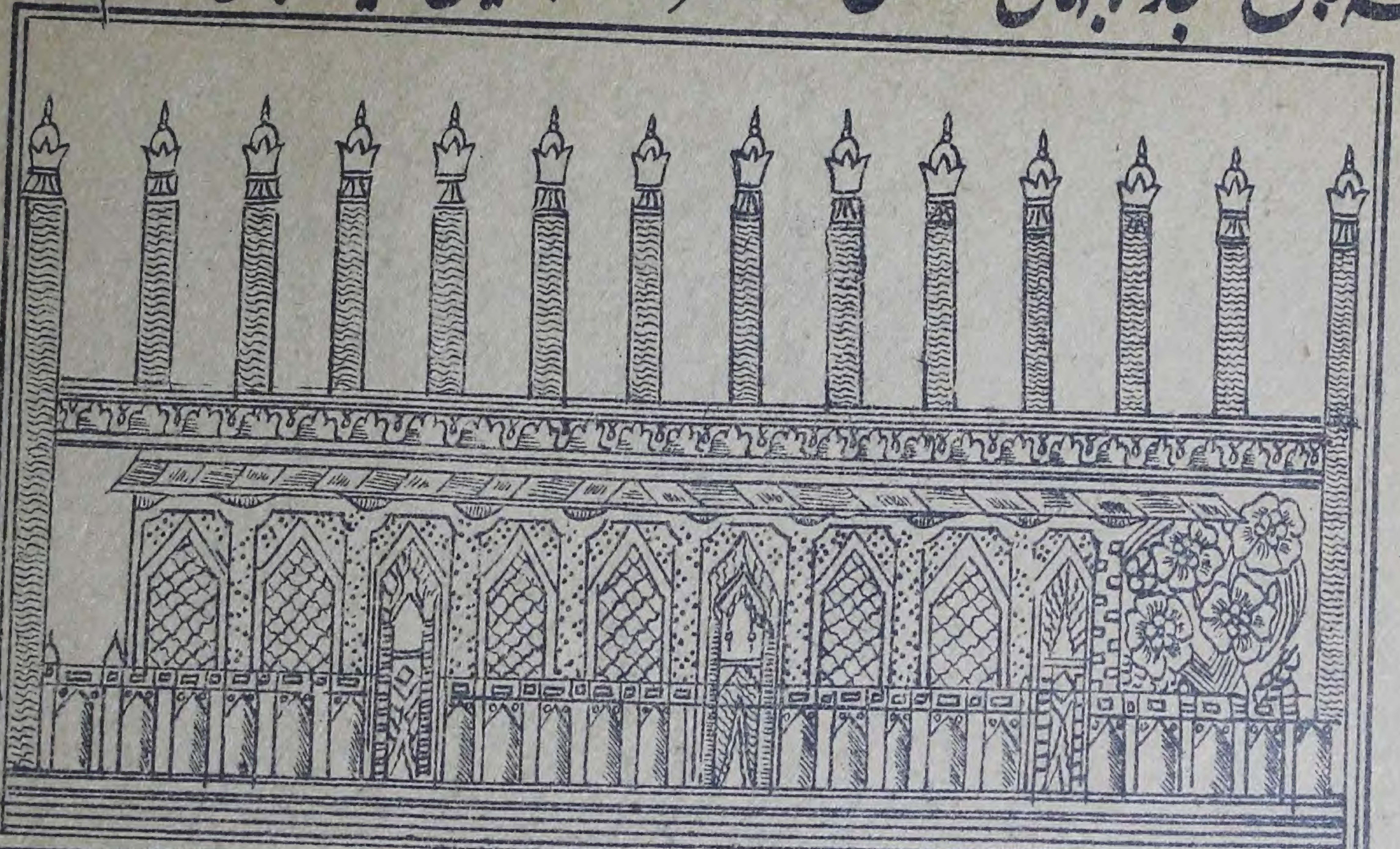
محجر بی بی حافظہ جمال:۔ بی بی حافظہ جمال خواجۂ بزرگ علیہ الرحمۃ کی صاحبزادی تھیں جو اپنے وقت میں کاملہ ہوئی ہیں۔ یہ ان کا مزار ہے جو احاطۂ نور کے جنوبی حصہ میں روضہ کی جنوبی دیوار سے ملحق ہے۔ محجر کا دروازہ کمانی دار ہے۔ مزار پر سنگ مرمر کا تعویذ ہے جسمیں السنیہ۔ فیروزہ۔ اور سنگ ابری کی پچکاری ہے۔ مزار پر کمخواب اور تامی کے قبر پوش ڈھکے رہتے ہیں۔ اس محجر کے سامنے دو چھوٹی چھوٹی قبریں آپکے

دو صاحبزادوں کی ہیں جو خوردسالی میں وفات پا گئے تھے۔

جامع مسجد شاہجہانی

شاہجہاں کو تعمیرات کے لئے قدرت سے ایک ذوق لطیف عطا ہوا تھا اور یہی ذوق تھا جسکی بدولت ہندوستان کے سامانِ کبر و ناز میں چند نادر و عجیب عمارات کا اضافہ ہوا۔ شاہجہاں کے عہد میں ایسی عجیب و غریب عمارتیں تیار ہوئی ہیں اور ان سے اتنی صنعتیں وابستہ ہیں کہ مغرب کے موشگاف استادانِ فن بھی اس باب میں منزلِ تحیر سے آگے قدم نہیں بڑھا سکے۔ آگرہ کا تاج اور دہلی کی جامع مسجد شاہجہاں کے لطیف ترین ذوقِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں لیکن ان کے علاوہ بھی بیشمار ایسی عمارتیں ہیں جن کو دیکھکر یورپین سیاح عش عش کرتے ہیں۔ تاج اور جامع مسجد تو شاہجہاں کے تاج کی زینت کے لئے وہ سب سے بڑے موتی ہیں۔ لیکن اسکے تاج میں صرف یہی دو موتی نہیں ہیں۔ انکے علاوہ بہت سے چھوٹے موتی بھی ہیں جو بہت بیش قیمت ہیں شاہجہاں کی عمارتیں نہ صرف خوبصورتی اور صناعی کا بہترین نمونہ ہیں بلکہ قیمت کے اعتبار سے بھی بہت گراں قدر ہیں۔ اسکی اکثر و بیشتر عمارتیں صرف سنگ مرمر کی ہیں اور ان پر لاکھوں روپیہ صرف ہوا ہے۔ اس عہد میں شاہجہاں ہی تمام دنیا میں صرف ایک بادشاہ ہوا ہے جسنے ایسی گراں قدر، نادر و عجیب عمارتیں اپنی یادگار میں چھوڑیں۔ اجمیر میں بھی شاہجہاں کی دو عمارتیں ہیں (۱) جامع مسجد اندرون درگاہ (۲) بارہ دری برکنار تالاب آنا ساگر۔ یہ دونوں عمارتیں صرف سنگ مرمر سے بنی ہیں اور انکی تعمیر میں لاکھوں روپیہ صرف ہوا ہے۔ سردست جامع مسجد کا حال

نقشہ جامع مسجد شاہجہانی اندرون درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح بمقام اجمیر شریف



تحریر کیا جاتا ہے۔ بارہ دری کا ذکر اسکے موقعہ پر آئیگا۔ یہ مسجد خواجہ صاحب کے روضہ سے مغرب کی طرف بہشتی دروازہ کے سامنے ہے۔ زمانۂ شاہزادگی میں جب شاہجہاں فتح اُدےپور سے فرصت پاکر دارالسلطنت کی طرف مراجعت کر رہا تھا تو زیارت کی غرض سے اجمیر میں ٹھہرا شاہجہاں نے یہ محسوس کیا کہ یہاں ایک اعلیٰ پیمانہ کی اور وسیع مسجد کی ضرورت ہے۔ اُسنے عہد کیا کہ تخت سلطنت پر بیٹھکر یہاں ایک مسجد تعمیر کروں گا۔ چنانچہ اسکی لڑکی جہاں آرا نے اپنی تصنیف مونس الارواح میں بیان کیا ہو کہ شاہجہاں نے اپنے جلوس کے دسویں سال ۱۶۳۸ء میں اس مسجد کی تعمیر کا حکم دیا اور دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ کی لاگت سے یہ عالیشان مسجد تعمیر ہوئی۔ اور ۱۴ سال میں اسکی تعمیر کا کام ختم ہوا مسجد کی گیارہ محرابیں ہیں اور ۱۴۸ فیٹ طول اور ۲۵ فیٹ اسکا عرض ہے۔ مسجد کی کرسی قریبًا چار فیٹ اونچی ہے۔ اسکے سامنے ایک صحن ہے جو ۱۵۶ فیٹ طویل اور ۵۲ فیٹ عریض ہے۔ صحن کے تین جانب ایک قد آدم چار دیواری ہے۔ یہہ چار دیواری اور صحن کا فرش بھی سنگ مرمر کا ہی چار دیواری میں پانچ دروازے ہیں ایک جانب شمال تین جانب شرق اور ایک جانب جنوب۔ امام گاہ کی محراب میں کلمۂ طیبہ آب زر سے لکھا ہوا ہے اور اس زمانہ میں منقش بھی کردی گئی ہے۔ تعمیر کے وقت کسی شاعر نے تاریخ کہی تھی

قبلۂ اہل زماں شد مسجد شاہ جہاں

بیرونی محرابوں پر خدائے عزوجل کے ننانوے نام اور یہہ کتبہ کندہ:۔

شنیدم ز خاصان فرخندہ فال — کہ پیش جلوس ابد اتصال

شہنشاہ دین پرور دین پناہ — فلک قدر شاہ جہاں بادشاہ

پناه امم صاحب تخت و تاج ‌ ‌ ‌ که دارد شریعت بعهدش رواج
پس از فتح رانا بصد عز و جاه ‌ ‌ ‌ بدولت در اجمیر زد بارگاه
بطوف مزار حقایق شعار ‌ ‌ ‌ معین جهان خواجهٔ روزگار
حقایق پناه معارف مآب ‌ ‌ ‌ که دادش فلک قطب عالم خطاب
در آن روضهٔ پاک مسجد نبود ‌ ‌ ‌ دلش را تمنای مسجد فزود
خداوند را با خدا شد قرار ‌ ‌ ‌ که ماند ازو مسجدی یادگار
بسی برنیامد ز دور فلک ‌ ‌ ‌ که آن قبله گاه ملوک و ملک
چو بنشست بر تخت شاهنشهی ‌ ‌ ‌ ز لطف الهی بفرماندهی
کمر بست چست و قدم برگشاد ‌ ‌ ‌ نه از راه رسم - از ره اعتقاد
بتوفیق حق گشت کارش تمام ‌ ‌ ‌ بنا کرد این مسجد و شد تمام
زهی مسجد بادشاه جهان ‌ ‌ ‌ که دارد ز بیت المقدس نشان
خوشا قدر این خانه کز احترام ‌ ‌ ‌ بود ثانی اثنین بیت الحرام
مقدس حریمی چو قدس خلیل ‌ ‌ ‌ بوصفش زبان وقت ذکر جمیل
کند دسته مژگان خود آفتاب ‌ ‌ ‌ که جاروب کش باید اینجا خطاب
نمایان در و کعبه وقت نماز ‌ ‌ ‌ ز محراب در بر حرم کرده باز
بفرسنگش گذاری چو روی امید ‌ ‌ ‌ شده نامه چون سنگ مرمر سفید
طلبگار حاجات وابسته اش ‌ ‌ ‌ بهار مناجات گلدسته اش
چو شاه جهان در محل نماز ‌ ‌ ‌ بمحرابش آورد روی نیاز
بتوفیق محراب گرد از دو سو ‌ ‌ ‌ بیک قبله پشت و بیک قبله رو

جهان را دو چشمند مردم نشین ۔ یکے خانۂ کعبہ و دیگر این
نشستہ بمسجد شہنشاہ دین ۔ بود کعبہ پیوستہ مسجد نشین
اجابت زند بر عبادت نیاز ۔ خوش آنکس کہ آنجا گذارد نماز
توان کرد در ممبرش جان سپند ۔ کزان نام شاہ جہان شد بلند
بہ تکلیف مردم برائے نماز ۔ درش چون در توبہ پیوستہ باز
بود خطبۂ شاہ تا در خورش ۔ زبان ملایک سزد ممبرش
لب حوضش از آب زمزم پر است ۔ زمحراب با کعبہ در بر در است
زلالش ز ہر موجہ بیسد تیغ ۔ بقطع تعلق کشیدہ است تیغ
زسنگش چنان کار پرداز رنگ ۔ کہ گوئی بنا شد زیک پارہ سنگ
بفرمودۂ سایۂ کردگار ۔ چو کرد این بنا را قضا استوار
نوشتند تاریخش اہل الیقین ۔ "بنائے شہنشاہ روئے زمین"

یہ مسجد شہر کی تمام مساجد سے زیادہ آباد ہے۔ نماز جمعہ اور عیدین بھی اسمیں ہوتی ہیں مسجد کے پیش امام بھی شاہی زمانہ سے مقرر ہیں غرض اجمیر کی تمام مساجد سے یہ مسجد زیادہ قبولیت رکھتی ہے۔

کرناٹکی دالان:- یہ دالان روضہ کے جنوبی دروازہ کے سامنے نواب والاجاہ ... کرناٹک نے سنہ ۱۲ھ میں سنگ مرمر سے تعمیر کرایا۔ اس دالان کے تین در ہیں ساخت بہت خوش وضع ہے۔ دوپہر اور شام کو یہاں قوالی ہوتی ہے۔ اسکی محراب پر کتبۂ تاریخ کندہ ہے:۔

درحضور خواجۂ ہر دو جہان ۔ آن معین الدین شہ شاہنشہان

چون امیر الہند کان عدل و داد	بحر جود و آسمان اعتقاد
یعنی آن نواب والا مرتبت	نام والا جاہ عالی منزلت
کامران ملک کرناٹک بود	بندۂ خاص خدا بیشک بود
از خلوص نیت و صدق عفیف	بر نہادہ کرسئی جائے لطیف
تا بیاسائید مردم اندرین	موجب برکات باشد بالیقین
گفت چون تعمیر والا جاہی است	ہم بنایش موقف للہی است
سال تعمیرش ز دل کردم طلب	وجد در خود کرد دل وا کرد لب
سال تاریخش بجود راین دعا	"باد دائم قایم این فرخ بنا"
از جلوس شاہ پنج و سی طلب	شد مرتب در مہ پاک رجب

مزار نظام سقہ: بیگمی والان کے جانب شرق اسکے احاطہ سے باہر نظام سقہ کا مزار ہے۔ یہ وہی نظام سقہ ہے جسنے ۱۵۹۰ء میں قنوج کے قریب ہمایون کو اپنی مشک پر بٹھلا کر دریائے گنگ سے عبور کرایا جبکہ وہ شیر شاہ سے لڑائی میں شکست کھاکر پایہ تخت کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اس صلہ میں وہ نصف روز آگرہ کے تخت پر بیٹھا اسکے متعلق مشہور ہے کہ اُسنے مشک کا ٹکرچام کے دام چلائے تھے۔ یہ مزار اسی نظام سقہ کا ہے تعویذ قبر پر نہایت نفیس منبت کاری کی ہوئی ہے۔ اور سنگ مرمر کے چبوترے کے گرد خوشنما جالیدار کٹہرہ ہے۔ اسمیں تمام و کمال سنگ موسٰی کی پچیکاری ہے اور اسقدر خوبصورت بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں کہ ان کا لطف بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ مزار شاہان مغلیہ کے عہد میں بہت آراستہ رہتا تھا لیکن جب شاہنشاہ عالمگیر یہاں آیا اور درگاہ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ نظام سقہ کا مزار اسقدر آراستہ ہے

عالمگیر کو خیال ہوا کہ شاید یہی خواجۂ بزرگ علیہ الرحمۃ کا مزار ہے لیکن ہمراہیوں نے یہ مغالطہ رفع کیا۔ عالمگیر نے کہا کہ ع

چراغ پیش آفتاب پرتوے ندارد

عالمگیر خود صاحب باطن اور اہل کشف تھا اوسی روز سے تمام آرائشیں موقوف کردی گئیں۔

اولیا مسجد:۔ یہ ایک چھوٹی سی سنگ مرمر کی قلندری مسجد ہے۔ کہتے ہیں کہ خواجۂ بزرگ یہاں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ سنا جاتا ہے کہ پہلے یہاں شادی جن کا بتخانہ تھا۔ مسجد کے جانب شرق و شمال صحن میں دالان اور حجرے بنے ہوئے ہیں۔

مقبرہ شاہ قلی خان:۔ اکبر کے عہد میں محمد تقی بخش اجمیر کی صوبہ داری اور منصب تین ہزار پانصدی سے سرفراز تھے۔ ان کو شاہ قلی خان کا خطاب تھا۔ شاہ قلی خان نے اپنی زندگی میں یہہ مقبرہ بنوایا تھا۔ وہ آگرہ میں مرے اسلئے یہاں دفن نہو سکے اس مقبرہ کا فرش ستون اور دیواریں سنگ مرمر کی ہیں اور چھت گچکاری کی لداؤ ہے۔ اسمیں اب جو مزارات ہیں وہ اکثر نامعلوم اور غیر مشہور اشخاص کے ہیں البتہ ایک مزار مرزا عادل کا جو مالوہ میں مرہٹوں کی جانب سے حاکم تھے اور ۱۷۶۹ء میں انتقال ہوا اور دوسرا اسد الملک مرزا عبدالرحیم خان کا جنکی وفات ۱۸۰۰ء میں ہوئی قابل ذکر ہے۔

احاطہ چار یار:۔ یہ احاطہ عقب جامع مسجد شاہجہانی واقع ہے۔ اس احاطہ میں بہت سے فقرا اور صلحا کے مزارات ہیں۔ چار یار اسوجہ سے مشہور ہوا کہ یہاں چار دیواری کے اندر چار مقبرے بنے ہوئے ہیں۔ یہہ ان بزرگوں کے ہیں جو خواجۂ بزرگ

کے ہمراہ آئے تھے۔ مولانا شمس الدین بھی اسی احاطہ میں مدفون ہیں۔ آپ کے مزار پر سنگ مرمر کا نہایت خوشنما چبوترہ بنا ہوا ہے۔ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی جو اس عہد کے مشہور صوفیا سے ہیں یہیں مدفون ہیں۔ آپکی وفات ۸ رجب ۱۳۲۴ھ کو مجلس سماع میں یہ شعر سنکر حالتِ وجد میں ہوئی ؎

گفت قدوسی فقیرے در فنا و در بقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

لسان العصر حضرت اکبر نے آپکی وفات کے متعلق لکھا ہے:۔

سن رہے تھے سماع مولانا — اسی حالت میں انتقال ہوا
واہ کیا خوش نصیب تھے حضرت — عالم وجد میں وصال ہوا

سولہ کھنبہ:۔ یہ مقبرہ ۱۰۳۰ھ میں شیخ علاؤالدین نے تعمیر کیا اور وہی بعد وفات اسمیں دفن کئے گئے۔ یہ تمام و کمال سنگ مرمر کا ہے اور اسمیں سنگ اسود کی پچیکاری ہے۔ اسکے غربی دیوار پر مسجد کی محرابیں بنی ہوئی ہیں۔ باقی سمتوں میں ستون ہیں چونکہ اسمیں سولہ کھنبے ہیں اسلئے اس عمارت کو بھی سولہ کھنبے کہنے لگے۔ ان ستونوں کے گرد بہت عمدہ جالیدار کٹہرا تھا جواب بھی کہیں کہیں باقی ہے۔ فرش میں بھی بوقلمونی پچیکاری ہے اور قبروں کے تعویذ خوشرنگ پتھروں کے ہیں۔ گنبد لداؤ اور منقش ہے ۱۹۰۶ء میں دیوان سید غیاث الدین علی خان سجادہ نشین درگاہ معلی بھی یہاں دفن کئے گئے۔ اس مقبرہ کی شرقی محراب پر یہ کتبہ کندہ ہے:۔

بنائے مقبرہ بنہاد شیخ علاؤالدین — کہ باد عاقبت او بخیر ارزانی
جوار مرقد آن شاہباز عرش نشین — کہ زیر شہپر او بیضۂ مسلمانی

چو فکر در پئے اتمام سال رفتہ خرد — بگفت "روضہ مرتب شد بآسانی"

ایک بالشت کی چھتری:۔ یہ چھتری سولہ کھنبہ کے متصل ایک دروازہ کی سردل پر بنی ہوئی ہے جو ایک بالشت سے زیادہ عریض نہیں ہے۔ گنبد اس کا لداؤ اور ستون سنگین ہیں اس چھتری میں آٹھ دس آدمی بآسانی بیٹھ سکتے ہیں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ دروازہ مقبرۂ خواجہ حسین کے محوطے کے لئے تھا لیکن اب وہ محوطہ تو باقی نہیں رہا اور دروازہ ہنوز قایم ہے۔

مقبرہ خواجہ حسین:۔ یہ مقبرہ شاہجہانی مسجد کے غرب میں واقع ہے۔ اس مقبرہ میں خواجۂ حسین اجمیری آسودہ ہیں۔ علاوہ آپ کے اور دیگر بزرگوں کے مزارات بھی ہیں ۱۹۱۲ء میں دیوان سید امام الدین علی خان سجادہ نشین درگاہ معلیٰ یہاں دفن کئے گئے اور ۲۳ء دیوان سید شرف الدین علی خان سجادہ نشین مدفون ہوئے۔ اس مقبرہ کی عمارت بعینہ روضۂ منورہ کے طرز پر ہے لیکن ساز و سامان میں اختلاف ہے۔ مزار کے گرد سیپ کا چھپرکھٹ ہے۔ یہ مقبرہ سید دلاور کے اہتمام سے ۱۰۴۷ھ میں بعہد شاہجہان تعمیر ہوا۔ دروازہ کی محراب پر یہ کتبہ کندہ ہے:۔

شد از توجہ ہادی و مرشد معین — شہنشہ دوسرا خواجہ معین الدین
بنائے مقبرۂ باصفائے خواجہ حسین — بلفظ مغز شدہ سال خاتمیت این

خانقاہ:۔ یہ ایک بڑا دالان ہے جو اکبری مسجد کے جانب جنوب اور محفل خانہ کی عین پشت پر واقع ہے۔ رجب کی پانچویں تاریخ تیسرے پہر کو یہاں قوالی ہوتی ہے اس دالان میں سجادہ صاحب بعد الفراغ محفل کچھ دیر کیلئے تشریف رکھتے ہیں۔

لنگر خانہ:۔ احاطۂ صحن چراغ کے جانب شرق ایک چھوٹا سا میدان ہے اسکے

وسط میں ایک سنگین چھتری ہے۔ یہاں ایک دالان شرق رویہ بنا ہوا ہے جو امام باڑہ لنگرخانہ کہلاتا ہے۔ اسکے قریب دلیا پیسنے کی چکی تھی لیکن آجکل اس جگہ بجلی کی روشنی کا انجن نصب ہے۔ جنوبی سمت دو چولہے پختہ گچکاری کے بنے ہوئے ہیں اور اسپر آہنی کڑھاؤ رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں صبح و شام لنگر پکتا ہے اور غربا و مساکین کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک وقت کے لنگر کا صرفہ قدیم سے خزانہ درگاہ شریف سے ملتا ہے اور چند سال سے دوسرے وقت کا لنگر حضور نظام دکن نے مقرر فرما دیا ہے۔

جھالرہ:۔ درگاہ شریف کے جانب جنوب ایک قدرتی گہری جھیل ہے جو جھالرہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس جھیل کے جانب جنوب شہر پناہ اور پہاڑ ہے جب کبھی بارش کثرت سے ہوتی ہے تو اس قرب و جوار کے پہاڑوں سے پانی پھوٹ پھوٹ کر اس جھیل میں آتا ہے اور یہ لبالب ہو جاتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ تعمیر شہر پناہ سے پہلے محلہ اندرکوٹ کے پہاڑوں کا برساتی نالہ بھی یہیں گرتا تھا جو اب مکانات و شہر پناہ کی تعمیر کے بعد سے درگاہ شریف کے روبرو ہو کر بہتا ہے۔ جب یہ جھالرہ بھر جاتا ہے تو اسکا پانی درگاہ شریف کی موریوں سے نکلکر بہتا ہے۔

درگاہ میں بجلی کی روشنی:۔ ماہ فروری سنہ ۱۹۲۰ء میں ہندوستان کے نامور سیٹھ سر فاضل بھائی کریم بھائی نے بجلی کے دو انجن اور اسکے ساتھ روشنی کا پورا سامان نذر کیا۔ یہ انجن آر۔ ایم مارشل الکٹرک انجنیر بمبئی کے اہتمام سے نصب کئے گئے اور تمام درگاہ میں مناسب مقامات پر بجلی کے قمقمے لگائے گئے۔ اب درگاہ شریف میں اندرون گنبد کے علاوہ ہر جگہ بجلی کی روشنی موجود ہے۔ اسکے سالانہ خرچ کا اندازہ ۵۰۰ روپیہ ماہوار کے حساب سے ۶۰۰۰ ہزار روپیہ ہوتا ہے۔ یہ مصارف بھی سر فاضل بھائی کی

جانب سے مقرر ہیں۔

انتظام و جاگیر درگاہ خواجہ صاحب:۔ درگاہ شریف کے مالی انتظامات ایک کمیٹی کی نگرانی میں ہیں جسکے پانچ ممبر حسب ذیل طریقہ پر منتخب ہوتے ہیں۔

پریسیڈنٹ (مسلمان باشندگان شہر سے اجمن کا شہر سے انتخاب ہوتا ہے

۱ ممبر - خاندان سجادہ نشین سے

۱ ممبر - خاندان متولی درگاہ سے

۱ ممبر - خدام درگاہ شریف سے

۱ ممبر - شیخ زادگان سے

اسمیں ۴ ممبر اور ایک پریسیڈنٹ ہوتا ہے۔ پریسیڈنٹ کو مسلمانان شہر انتخاب کرتے ہیں۔ اس کمیٹی کی جانب سے متولی درگاہ شریف تمام انتظامات کرتا ہے اور یہ کمیٹی اسکی نگرانی کرتی ہے۔ اس کمیٹی کا سرپرست ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ہوتا ہے اور خاص خاص حالتوں میں اسکو بہت وسیع اختیارات حاصل ہیں۔

جاگیر درگاہ کی اول سند شہنشاہ اکبر نے سنہ ۱۵۶۷ء میں عطا کی جسمیں [illegible] گاؤں اور ایک روپیہ فیصدی فروخت نمک سانبھر پر لنگر کے لئے وقف کیا۔ منجملہ ان کے دو گاؤں تناب اور کانبہ درگاہ کے قبضہ میں ہیں۔ سنہ ۱ جلوس سنہ ۱۶۲۷ء میں شاہجہان نے فرمان سابق منسوخ کرکے [illegible] کے لئے فرمان عطا کیا جسمیں سے [illegible] نقد اور باقی [illegible] کی آمدنی کے [illegible] گاؤں تھے جنکی تفصیل یہ ہے۔

تناب - پربت پورہ - چاندسین - خواجہ پورہ - کاپر مسینہ - بھروانی - گوراڑی - کیسریہ - پیچولیان - تلورہ - ہوگران کشن پورہ - کانبہ - راٹیلہ - گوتڑی اور آرینہ سنہ میں

لکھا ہے کہ یہ جاگیر واسطے وقف روضۂ مقدسہ صرف عرس ولنگر و روشنی و فروش وگل و ارباب مسجد و وظایف اصحاب استحقاق وحفاظ و صادر و وارد و سایر وجوہ خیرات ومبرات عنایت ہوئے۔ فرخ سیر نے دو گاؤں بدہواڑہ اور دانسترڑہ اسمیں اور اضافہ کئے۔ یہہ کل لعہ گاؤں ہوئے جن میں سے تین گاؤں رآیلہ۔ کوٹری اور ارنیہ میواڑ کے علاقہ میں ہیں اور آرنیہ پر اب درگاہ قابض نہیں ہے۔ درگاہ کے قبضہ میں اب عہ گاؤں ہیں ان میں سے تین گاؤں صاحب سجادہ کے لئے سنہ ۱۷۶۹ء میں شاہ عالم نے مخصوص کئے اور ایک گاؤں بعوض روزینہ متولی درگاہ کے لئے مخصوص کیا گیا۔

ڈھائی دن کا جھونپڑا

بہ بین کرامت بتخانۂ مرا اے شیخ
کہ چون خراب شدہ خانۂ خدا گردید

یہ عمارت درگاہ شریف کے جانب غرب فصیل شہر سے باہر محلہ اندرکوٹ میں واقع ہی قدامت اور صناعی کے اعتبار سے یہ منجملہ ہندوستان کی مشہور عمارات کے ہے اسکے دیکھتے دیکھتے ہندوستان کی سیاست نے ہزاروں رنگ اختیار کئے کئی انقلاب ہوئے حکمران خاندانوں کے عروج وزوال کے واقعات و اسباب اُسنے بچشم خود دیکھے ہیں اسکی تعمیر کے وقت ہندوؤں کا ستارۂ اقبال اوج پہ تھا۔ پرتھوی راج کی شان و شوکت کا ڈنکہ ہندوستان میں بج رہا تھا کہ سرحد سے مسلمان حملہ آوروں کی آمد شروع ہوئی۔ پرتھوی راج ہار گیا اور ہندوستان پر اسلامی پھریرا لہرانے لگا۔ اس کشمکش میں ڈھائی

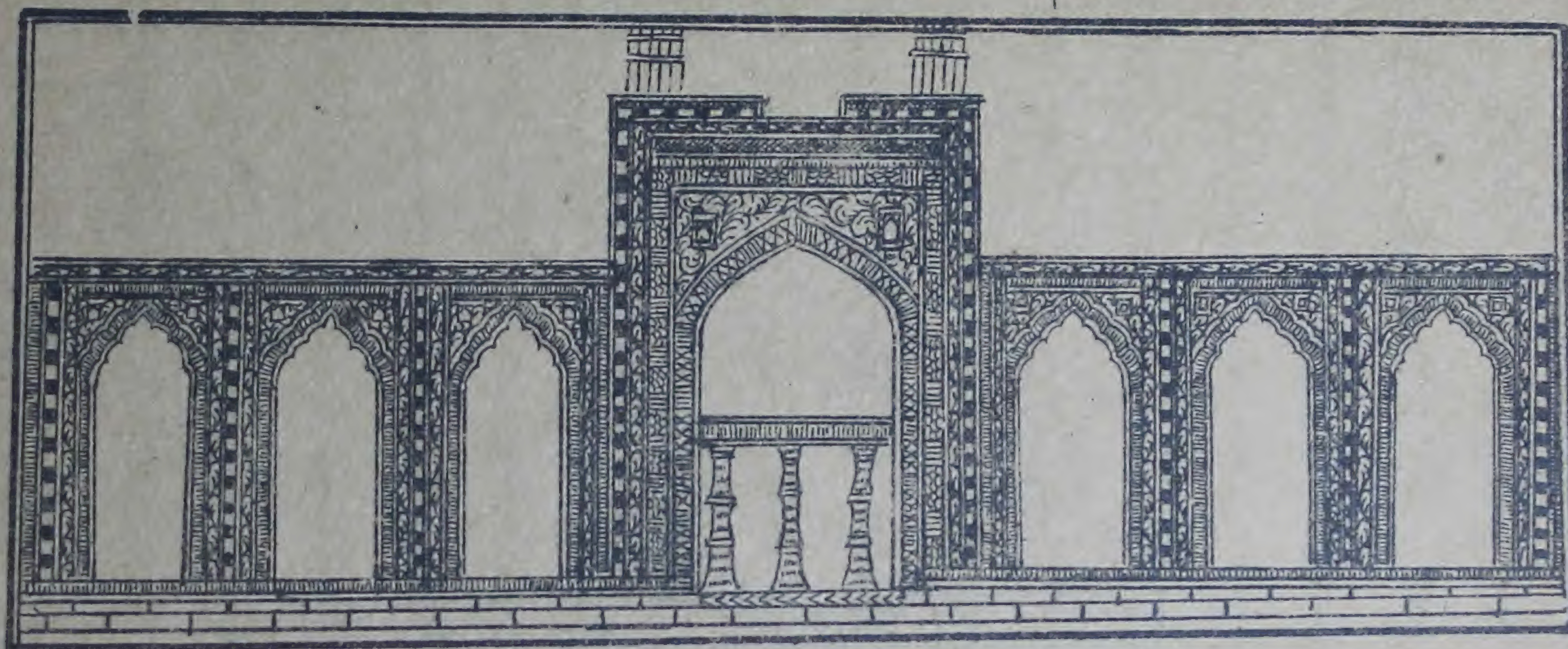
دن کے جھونپڑے کو بھی اپنی پرانی شکل بدلنی پڑی۔ پٹھان تمام ملک پر قابض ہو گئے اور آخر کار عنان حکومت مغلوں کے ہاتھ آئی۔ اکبر کا جاہ وجلال اور عالمگیر کی دارو گیر بھی یونہی گذر گئی اور اب برٹش عہد سلطنت میں تغیر و تبدل کی کشاکش سے مطمئن ہو کر زمانہ کے انقلاب اور گردش فلک کے نئے نئے شگوفوں کو اپنی مشاق نگاہوں سے دیکھ رہی ہے۔ پہلے یہ عمارت ایک بتخانہ کی تھی جسکو ۱۱۵۳ء میں راجہ بسیلدیو چوہان نے تعمیر کیا تھا اجمیر کا ایک ہندو مورخ لکھتا ہے کہ یہ بتخانہ نہیں تھا بلکہ ایک عظیم الشان درسگاہ اور دار الاقامتہ کی عمارت تھی۔ نہ معلوم مورخ صاحب کا یہ ذاتی اجتہاد ہے یا کسی تاریخی کتاب سے اسکے لئے کوئی ثبوت بھی پیش کیا جا سکتا ہے محرابوں اور ستونوں پر بتوں کی مسخ شدہ صورتیں پکار کے کہہ رہی ہیں کہ یہ بتخانہ تھا۔ انکے علاوہ یہاں سے بتوں کی بڑی بڑی مورتیاں بھی زمین میں مدفون ملی ہیں۔ تمام تاریخی کتب سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بتخانہ تھا۔ اگر یہ درحقیقت سنسکرت کالج تھا تو یہاں اس کثرت سے بت کیوں تھے۔ بہرحال جب ۱۱۹۲ء مطابق ۵۸۸ھ میں شہاب الدین غوری نے اجمیر فتح کیا تو اُسنے اس بتخانہ کی مورتوں کو مسخ کیا اور اسمیں نماز ادا کی۔ اسوقت شہاب الدین غوری نے صرف اتنا تغیر کیا کہ غربی دیوار کے وسط میں ایک سنگ مرمر کی محراب بنوائی۔ اس محراب پر یہ کتبہ کندہ ہے:-

بنائی الحادی والعشرین جمادی الآخر سن خمسته وتسعین وخمسمائۃ

دیوار غربی پر یہ عبارت کندہ ہے:-

فی تولیت ابو بکر بن احمد جمال الفضلہ تاریخ ذالحجہ ستہ وتسعین وخمسمائۃ

ڈھائی دن کی مسجد بمقام اجمیر شریف جس کو ڈھائی دن کا جھونپڑا بھی کہتے ہیں



شہاب الدین غوری نے تو اسکو اسی حالت پر چھوڑ دیا لیکن سلطان شمس الدین التمش نے ۶۱۲ھ میں اسی مندر کے مصالحہ سے اسکو از سرِ نو تعمیر کیا اور ابتک اسی حالت میں ہے۔ پتھر کی گلکاری اور نقوش وغیرہ کی خوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور بہترین صناعی کا نمونہ ہے جسکی نظیر ہندوستان میں ایک دو جگہ ہی ملیگی۔ پتھر پر بیلیں کیا کندہ کی ہیں موم کو سانچہ میں ڈہالا ہے۔ محرابوں پر قرآن مجید کی جو آیات کندہ ہیں ان میں ایک خاص صفت یہ ہے کہ نیچے سے اوپر تک تمام حروف یکسان نظر آتے ہیں اور ایک سائز کے معلوم ہوتے ہیں اور دور نزدیک میں کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا حالانکہ یہ محرابیں بہت اونچی ہیں ۵

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

ان نقوش سنگیں کی صنعت اور کاریگری نے آج بھی یورپ کے مبصرین اور سیاحوں کو نقش حیرت بنا دیا ہے۔ اسکے بیرونی جانب پانچ عظیم الشان محرابیں ہیں داہنی محراب پر سورۂ انا فتحنا اور تاریخ تعمیر کندہ ہی محراب یسار پر سورہ تبارک اور وسطی محراب پر یہ کتبہ بخط طغرا کندہ ہے:- امر ببنآء العمارت السلطان العالم العادل المعظم والخاقان الاعظم ملك الترك شہنشاہ الاعظم مالك رقاب الامم مولی ملوك العرب والعجم ظل اللہ فی العالم شمس الدنیا والدین غیاث الاسلام والمسلمین تاج الملوك والسلاطین قامع الکفرۃ والملحدین قاھر الظلمۃ والمشرکین ناصر الاسلام علاوالدولۃ القاھرۃ والملۃ الباھرۃ مالك البر والبحر سلطان الشرق المؤید من السمآء المظفر علی الاعداء ابی المظفر التمش السلطانی معتمد خلیفۃ اللہ ناصر امیر المؤمنین اعلی اللہ فی کل شانہ واظہر کل ساعۃ برمانہ واکتبہ فی العشرین من ربیع الآخر

محراب وسطی جسپر یہ کتبہ کندہ ہے ۶۰ فیٹ بلند ہے جسکے اور سنگ سُرخ کے دو شکستہ مینار ہیں۔ شمالی مینار کے مرغول پر سلطان شمس الدین التمش کا نام کندہ ہے محیط کی دیواریں ۲۵ فیٹ بلند ہیں۔ شاہان سلف کی یہ یادگار بہت شکستہ ہو چکی تھی اور اگر کچھ روز اسکی طرف توجہ نہ کی جاتی تو آج کھنڈر ہو گئی ہوتی لیکن محکمہ تعمیرات قدیم اسطرف متوجہ ہوا اور ۱۸۷۵ء میں اسکی مرمت شروع ہوئی۔ ۱۸۷۸ء تک یہ سلسلہ جاری رہا اسمیں گورنمنٹ کا قریباً ۲۳ ہزار روپیہ صرف ہوا۔ مگر ابھی کافی شکست و ریخت کی درستگی نہیں ہوئی تھی اسلئے ۱۹۰۰ء میں مسٹر ٹلک کمشنر اجمیر میرواڑہ کی نگرانی میں پھر اسکی درستی کا کام کیا گیا۔ اس مرتبہ قریباً آٹھ ہزار روپیہ صرف ہوا۔

تاڑاگڈھ

تاڑاگڈھ نہ صرف راجپوتانہ اور ہندوستان بلکہ مشرق کا ایک مشہور قلعہ ہے اور سب سے پہلا قلعہ جو ہندوستان میں کسی پہاڑ پر بنایا گیا تاڑاگڈھ ہے۔ پہلے اس کا نام گڈھ بیٹلی تھا اسلئے کہ جس پہاڑ پر یہ واقعہ ہے اوسکو بیٹلی کہتے تھے اور اسی نسبت سے اسکو بھی گڈھ بیٹلی کہنے لگے۔ تاڑاگڈھ نے ہندوستان کے بیشمار معرکے دیکھے اور اکثر غیر مفتوح رہا۔ دراصل اسکی جائے وقوع ایسی مناسب ہے اور حملہ آور کے لئے اسقدر سخت اور دشوار گذار کہ مشکل ہی سے کوئی حملہ آور اسکو بآسانی فتح کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اسکے اندر اتنی کافی زمین۔ کنویں اور تالاب موجود ہیں کہ سخت سے سخت محاصرہ بھی محصورین کو تکلیف نہیں دے سکتا۔ یہ قلعہ ۸۰ ایکڑ زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور جس پہاڑ پر یہ واقع ہے وہ سطح سمندر سے دو ہزار آٹھ سو چپن فیٹ بلند ہے۔ اس پہاڑ اور

قلعہ کے متعلق ایک مشہور سیاح لشپ ہیبر کی رائے ہے کہ :-

"یہ ہر طریقہ سے اسلحہ اور سامان رسد کے گودام کے لئے ایک مناسب مقام ہے اکثر حصوں میں چٹانیں قطعی دشوار گذار ہیں - تمام موسموں میں اسکے کنوئیں اور تالاب عمدہ پانی مہیا کر سکتے ہیں - اسمیں بہت سے تہخانے ہیں اور کنوئیں کے مثل گودام ہیں جہاں گھی غلہ وغیرہ ضرورت کی اشیا بہت معقول مقدار میں حفاظت سے رکھی جا سکتی ہیں - غرضکہ یورپین صنعت ایک ادنیٰ توجہ سے اسکو دوسرا جبرالٹر بنا سکتی ہے"

اس قلعہ کی فصیل ۲۰ فیٹ چوڑی ہے اور بہت بڑے بڑے پتھر اسمیں لگائے گئے ہیں - جن پتھروں سے یہہ دیواریں تعمیر ہوئی ہیں وہ اتنے بڑے ہیں کہ ایک دیکھنے والا تعجب کر سکتا ہے کہ بلا آلات جر ثقیل یہہ پتھر کسطرح اس بلند دیوار پر چنے گئے قلعہ تاڑاگڈھ کے بیشمار محاصرے ہوئے ہیں سب سے پہلے آٹھویں صدی عیسوی میں خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان کے عہد میں مسلمان فاتحین نے اسپر حملہ کیا دوسرا حملہ سنہ ۱۰۲۴ء میں سلطان محمود غزنوی نے کیا سلطان محمود نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا لیکن ایک معرکہ میں زخمی ہو جانے کے باعث وہ محاصرہ اوٹھانے پر مجبور ہوا اور نہروالہ کی جانب روانہ ہوا - اسکے بعد ۱۷۰ سال تک کوئی حملہ نہیں ہوا اور سنہ ۱۱۹۲ء میں سلطان شہاب الدین غوری نے اسکو فتح کیا لیکن شہاب الدین غوری کی واپسی پر پرتھوی راج کے چھوٹے بھائی ہری راج نے اسپر پھر قبضہ کر لیا لیکن سنہ ۱۱۹۵ء میں قطب الدین نے پھر اسکو فتح کیا - اسی سال قطب الدین ایبک کو بھیم دیو راجہ گجرات سے شکست ہوئی تو وہ تاڑاگڈھ میں آکر پناہ گزین ہوا قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا - ابھی محاصرہ جاری تھا کہ قطب الدین کی کمک پر غزنی سے تازہ دم

فوج آگئی اور محاصرہ توڑ دیا گیا۔ ۱۴۵۵ء میں علاؤالدین خلجی سلطان مانڈو نے اسپر حملہ
کیا گر وہ مصر رائے گورنر اجمیر مارا گیا اور قلعہ فتح ہو گیا۔ ۱۵۰۵ء میں اُدے پور کے سیسودیا خاندان
کے حکمران کنور پرتھی راج والئی میواڑ نے اسپر قبضہ کیا۔ ۱۵۳۳ء میں بہادر شاہ والئی گجرات نے
حملہ کرکے سیسودیا حکمران کو شکست دی اور تارا گڈھ پر قبضہ کرلیا۔ ۱۵۳۵ء میں راؤ
مالدیو والئی مارواڑ نے اسپر قبضہ کرلیا۔ اسی سال شیر شاہ کا بھی قبضہ ہوا مگر بالکل عارضی
طور پر۔ ۱۵۵۵ء میں خاندان شیر شاہ کے ایک افسر حاجی خان نے اسپر قبضہ کیا لیکن
اسکے دوسرے سال اکبر کے سپہ سالار سید قاسم خاں نیشاپوری نے بلا مزاحمت اسپر
قبضہ کرلیا۔ ۱۶۵۹ء میں جب اورنگ زیب نے بغاوت کی اور دھولپور کے قریب شاہی
افواج کو شکست ہوئی تو داراشکوہ بھاگ کر اس قلعہ میں پناہ گزین ہوا۔ اورنگ زیب
نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور آخر کار ایک سخت ترین معرکہ کے بعد اسپر قابض ہو گیا
۱۷۲۰ء تک یہ قلعہ مغلوں کے قبضہ میں رہا اور اس سال مہاراجہ اجیت سنگھ نے
اسپر قبضہ کیا لیکن ۱۷۲۲ء میں مہاراجہ جے سنگھ والئی جیپور حیدر قلی خان اور ارادت خان
بنگش کی زیر قیادت بادشاہی افواج نے اسپر حملہ کیا۔ آخر ۱۷۴۴ء میں مہاراجہ ابھے سنگھ
والئی مارواڑ نے اسپر قبضہ کیا۔ ۱۷۵۵ء میں جب ایک مرہٹہ جنرل آپاجی ناگور مارواڑ
میں قتل کیا گیا تو اسکے خون بہا کے طور پر اجمیر مرہٹوں کو دیدیا گیا۔ یہ قلعہ بھی ان کے
قبضہ میں آگیا۔ بہر حال اسی طرح مختلف منزلیں طے کرتا ہوا ۱۸۱۸ء میں گورنمنٹ
برطانیہ کے قبضہ میں آگیا۔ ۱۸۳۲ء میں لارڈ ولیم بنٹنگ نے اسکا معائنہ کیا۔ ۱۸۱۸ء
سے یہاں ایک دیسی فوج کی انفنٹری رہتی تھی لیکن لارڈ موصوف نے اسکو برخاست
کردیا۔ ۱۸۶۰ء میں یہاں نصیر آباد کی گوری فوج کے رہنے کے لئے بنگلے اور بارکیں

بنائی گئیں۔ بعد میں ان میں اور بھی اضافہ کیا گیا لیکن ۱۹۱۴ء سے یہاں کوئی فوج وغیرہ نہیں رہتی۔ تمام بنگلے اور بارکیں خالی پڑی ہوئی ہیں۔ قلعہ تاڑاگڈھ میں حضرت میران سید حسین خنگ سوار کی درگاہ ہے۔ قبل اسکے کہ درگاہ کا حال بیان کیا جائے حضرت میران سید حسین کی مختصر سوانح عمری تحریر کرنا مناسب ہوگا۔

حضرت میران سید حسین خنگ سوار کے حالات: کتب تاریخ کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت میران سید حسین کے چچا سید وجیہہ الدین مشہدی اجمیر کے گورنر تھے۔ جب قطب الدین ایبک نے دوبارہ اجمیر فتح کیا تو سید وجیہہ الدین مشہدی کو یہاں کا گورنر مقرر کیا۔ سید وجیہہ الدین حضرت امام زین العابدین کی اولاد سے تھے اور میران سید حسین خنگ سواران کے بھائی کے لڑکے تھے۔ سید وجیہہ الدین کی وفات پر سید حسین خنگ سوار ان کی جگہ قلعدار مقرر ہوئے چونکہ اجمیر راجپوتانہ کی کنجی ہے اور اسلئے اسپر ہمیشہ فاتحین کی آنکھ لگی رہی۔ راجپوتوں کو مسلمانوں کا قبضہ اجمیر ناگوار تھا اور وہ موقع کے منتظر تھے کہ کسی طرح اجمیر سے مسلمانوں کو نکالدیا جائے لیکن انمیں اتنی قوت نہیں تھی کہ علانیہ مسلمانوں کا مقابلہ کرتے ۱۲۰۲ء مطابق ۵۹۸ھ میں انہوں نے ایک خفیہ سازش کی اور قلعہ تاڑاگڈھ پر شبخون مارنے کا ارادہ کیا۔ اس زمانہ میں قلعدار اور حاکم یہیں رہتا تھا۔ غرضکہ ایک زبردست معرکہ ہوا اور میران سید حسینؒ بیشمار مسلمانوں کے ساتھ ۱۸ رجب کی شب کو شہید ہوئے لیکن اس معرکہ میں راجپوتوں کا بھی بہت نقصان ہوا حضرت میران سید حسین کے متعلق بہت سی روایات بالعموم مشہور ہیں لیکن اس عہد کی کتب تاریخ میں آپکے مفصل حالات نہیں ملتے۔ ضمناً جہاں کہیں آپکا ذکر آگیا ہے تو وہ نہایت مجمل ہے

اور اس سے اسیقدر پتہ چلتا ہے کہ شہاب الدین غوری کے عہد میں آپ یہاں شقدار (محصل مال گذاری یا کلکٹر) تھے۔ ابوالفضل اکبر نامہ میں جب ۱۵۷۰ء میں شہنشاہ اکبر کی حاضری اجمیر اور زیارت درگاہ معلیٰ کا ذکر کرتا ہے تو ضمناً بیان کرتا ہے کہ :-

"روز دیگر بہ تماشائے قلعۂ اجمیر کہ بر قلعہ کوہے واقع است متوجہ شدند و دوران عالیمقام بزیارت سید حسین خنگ سوار کہ در زبان عوام از اولاد امام زین العابدین است پرداختہ بسیر کہ جستند وتحقیق آنست کہ سید از ملازمان شہاب الدین غوری است ہنگامے کہ فتح ہندوستان کردہ مراجعت نمودہ اورا بشقداری اجمیر گذاشت و او آنجا القدحیات سپر دہ بمرور ایام و ہجوم عوام بولایت مشہور گشت و تربتش مطاف عالمیان شد"

لوگ کہتے ہیں کہ آپ امامیہ مذہب رکھتے تھے چنانچہ آجکل جو لوگ آپکی درگاہ کے خادم ہیں اور تارا گڈھ پر بھی آپکی درگاہ کے متصل آباد ہیں امامیہ مذہب رکھتے ہیں۔ یہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ان کے مورث میران صاحب علیہ الرحمۃ کے ساتھیوں میں سے تھے جو میران صاحب کے شہید ہونے پر بھی انکے مزار کے گرد آباد ہو گئے۔ اسوقت ان لوگوں کی تعداد پانسو کے قریب ہے۔ ہر سال سترہ رجب کو میران صاحب کا عرس نہایت شان و شوکت سے ہوتا ہے۔ آپ کی شہادت کے بعد چار سو سال تک آپکے مزار پر کوئی عمارت نہیں بنائی گئی۔

درگاہ میران سید حسین خنگ سوار:- جسطرح خواجۂ بزرگ علیہ الرحمۃ کی درگاہ کی عمارتیں مختلف زمانوں میں مختلف معتقدین نے تعمیر کیں اسی طرح آپ کی درگاہ بھی بہ یک وقت تعمیر نہیں ہوئی بلکہ مختلف زمانوں میں اسکی عمارتیں بنی ہیں۔

مزار: سنہ ۱۰۲۴ھ مطابق سنہ ۱۶۱۵ء میں اعتبار خان خواجہ سرا نے جو خطاب ممتاز خان سے ممتاز اور عہد اکبر میں منصب دو ہزاری اور عہد جہانگیری میں منصب شش ہزاری اور پانچہزار سوار رکھتا تھا آپ کے مزار پر ایک چھتری تعمیر کی۔ احاطہ مزار کی جنوب رویہ کھڑکی پر یہ اشعار کندہ ہیں:۔

شاہنشہ زمانہ جہانگیر بادشاہ — کاندر زمان او شدہ آسودہ دل جہان
سال دہم ز عہد جلوس بہار کش — شد فتح ملک رانا ازان شاہ کامران
وقتیکہ اندر اجمیر آن شاہ گنج بخش — بر تخت زر نشستہ بود از فتح شادمان
بود از ہزار افزون بست و چار سال — گیتی ز عدل و دادش چون روضۂ جنان
در روضۂ مقدس سید حسین کرد — این پنجرہ ز صدق و صفا اعتبار خان

مزار کے جانب جنوب و مغرب دو دالان ہیں۔ جنوبی دالان کا کچھ حصہ سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے۔ یہ دالان سنہ ۱۸۰۷ء مطابق سنہ ۱۲۲۲ھ میں بالا راؤ انیگلہ نے تعمیر کیا۔ اسپر یہ اشعار کندہ ہیں:۔

از بشارت سید الشہدا حسین خنگ سوار — کرد دالان راؤ بالا انیگلہ پیش مزار
یکہزار و دو صد و افزون ازین کن بست و دو — سال ہجرت خانۂ بیت العدل آمد شمار

مغربی دالان گمان جی راؤ سیندھیا نے سنہ ۱۸۱۲ء مطابق سنہ ۱۲۲۷ھ میں تعمیر کیا اسپر یہ اشعار کندہ ہیں:۔

معدن نور منبع اسرار — ہست درگاہ شاہ خنگ سوار
ساخت دالان کہ ہست رشک بہشت — راؤ گمانجی سیندھیا با وقار

اتمام تعمیر کی یہ تاریخ کندہ ہے:۔

کمانچے راؤ چون گردہ بنائے | مکان پر فضا بر کوہ محکم
پئے تاریخ جستم۔ گفت ہاتف | احاطوق تا قیامت باوفا ہم

مزار کے گرد جو چار دیواری ہے اسکے دو دروازے ہیں ایک روبہ شرق اور دوسرا جنوب رو۔ یہہ چار دیواری اور دروازے بہی ۱۲۱۵ھ میں مزار کی چہتری کیساتھہ تعمیر ہوئے۔ جنوبی دروازہ کی محراب پر یہ قطعہ کندہ ہے۔

شہسوار ملک دنیا شاہباز ملک دین | قاتل کفار آن سید حسین مہ جبین
منبع جود و سخا کاف فتوت والتجا | واقف سرہدا آن مہبط نور معین
سرور ہر دو جہان مشکلکشائے انس و جان | مفتخر کون و مکان آن حاکم دنیا و دین
خانقاہش پر عرق از عطر جنت ہر طرف | مرقدش بردہ شرف چون طور بر کوہ زمین
فرش دروازہ بہ بین از سنگ مرمر شد مزین | شد مرتب بر زمین بر صفحہ اش در ثمین
از پئے تاریخ او کردم سوال از عقل کل | گفت چو تاریخ او از روضہ سلطان دین

اس چار دیواری کے گرد ایک احاطہ ہے اسی احاطہ میں چار دیواری کے مشرقی دروازہ سے متصل ایک گھوڑے کی قبر ہے جسکے متعلق مشہور ہے کہ آپ کے خنگ کی قبر ہے جو اسی جنگ میں آپ کے ساتھہ قتل کیا گیا۔ اسپر ایک ہرے کپڑے کی چادر پڑی رہتی ہے اور لوگ اسپر چنے کی دال چڑہاتے ہیں۔ اس احاطہ میں ایک عالیشان مسجد ہے جسکا طول ۴۲ گز اور عرض ۶ گز ہے۔ اس احاطہ کے بعد جو درجہ ہے اسکے صحن میں بیشمار شہدا کے مزارات ہیں اور پانی کے لئے ایک خوشنما مربع حوض ہے اور چاروں طرف دالان بنے ہوئے ہیں۔

بلند دروازہ:۔ یہ دروازہ ۴۶ فیٹ بلند اور ۱۷ فیٹ چوڑا ہے اور اسمٰعیل

قلی خان صوبہ دار اجمیر کے عہد میں ۹۷۶ھ مطابق ۱۵۶۹ء میں سنگ سرخ سے تعمیر ہوا۔ درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کے بلند دروازہ سے بہت کچھ مشابہ ہے۔ اسکی محراب پر کتبہ کندہ ہے مگر وہ پڑھا نہیں جاتا۔ نیچے سنگ مرمر کی لوح میں یہ قطعہ کندہ ہے:۔

بعہد بادشاہ آسمان قدر — پناہ ملک و ملت ظل یزدان
جلال الدین محمد اکبر آن شاہ — کہ دارد در نگین ملک سلیمان
بدین درگہ کہ ہمچو کعبہ آمد — سوادش عین نور و نور اعیان
بنا فرمودہ این ایوان عالی — کریم الذات اسمعیل قلی خان
ز کلک دلکشا تاریخ اتمام — اگر خواہد کسے می یابد آسان

دیگین:۔ احاطۂ درگاہ کے شمالی دروازہ سے متصل دو آہنی دیگیں نصب ہیں۔ یہ دیگیں خواجہ بزرگ علیہ الرحمۃ کی دیگوں کے مقابلہ میں چھوٹی ہیں۔ شہنشاہ جہانگیر نے جب حضرت خواجہ بزرگ کے مزار پر دیگ چڑہائی اسیوقت یہاں بھی ایک دیگ نصب کی اور اسمیں کہانا پکوا کر غریبوں کو تقسیم کیا۔ دوسری دیگ ملا مدار ہی مدار المہام ریاست گوالیار نے جب درگاہ خواجہ صاحب میں دیگیں بنوائیں تو ایک دیگ یہاں بھی بنوائی اسپر وہی قطعہ تاریخ کندہ ہے جو خواجہ صاحب کی دیگ پر تھا۔

گنج شہیدان:۔ درگاہ میران صاحب کے جانب جنوب ایک وسیع احاطہ ہے اسمیں ان تمام شہدا کے مزارات ہیں جو میران سید حسین کیساتھہ معرکہ میں شہید ہوئے اس احاطہ کی پختہ چار دیواری امرائے عہد جہانگیری میں سے

وزیرخان معروف کلن خان نے تعمیر کی۔ اسکے دروازہ کی محراب پر سنگ مرمر کی لوح میں یہ کتبہ کندہ تھا۔ یہہ لوح گرگئی اور دوسری جگہ محفوظ رکھدی گئی ہے:۔

در زمان شہ رفیع مکان — کہ بنازد بدور او دوران
آن شہنشہ کہ ذات او آمد — باعث عدل و داد و امن و امان
شاہ گیتی پناہ نورالدین — بر جہان است سایۂ یزدان
بانی این بنائے لطف آئین — بایکے سال او خرد گفت آن
دولت است از وزیر خان کلان — کم نشان چنین ز دولت دان
۱۰۲۲

دولت خانہ شاہجہانی

(بارہ دریاں۔ آناساگر اور دولت باغ)

بارہ دریاں تالاب آناساگر کے بند پر واقع ہیں اور دولت باغ بھی اسی جگہ ہے۔ آناساگر۔ دولت باغ اور بارہ دریاں مختلف زمانوں میں بنے ہیں اسلئے تینوں کا حال علیحدہ علیحدہ تحریر ہے۔ ان میں سب سے قدیم آناساگر ہے اسلئے پہلے اس کا حال لکھتے ہیں۔


تالاب آناساگر

تالاب آناساگر کا بند ۱۱۳۵ء اور ۱۱۵۰ء کے درمیانی زمانہ میں ارنوراجہ یا آناجی نے بندھوایا۔ آناجی مہاراجہ پرتھوی راج چوہان کا دادا تھا۔ یہہ بند دو پہاڑوں کے درمیان ہے۔ اسکی دیوار بہت پختہ مضبوط اور سنگین ہے۔ دراصل یہ بھی ایک

پہاڑی کا حصہ تھا راجہ آنا نے اسکے دونوں جانب بہت چوڑی دیوار کھچوا کر اسکو بیچ سے بھر دیا اور اوپر ایک وسیع اور قریباً ۱۱۰۲ فیٹ طویل چبوترہ بنا دیا۔ سولھویں صدی عیسوی کے قبل اسپر کسی عمارت کا پتہ نہیں چلتا۔ ناگ پہاڑ اور اوسکے قرب و جوار کے تمام پہاڑوں کا پانی موسم بارش میں اسی تالاب میں بہکر آتا ہے اسوقت اسکا دور آٹھ میل کا ہوتا ہے۔ اس تالاب کے چاروں طرف پہاڑیاں ہیں اور برسات کے موسم میں جبکہ ہر جگہ سبزہ ہوتا ہے تو ان پہاڑیوں کا عکس اس تالاب میں پڑکر عجیب لطف دیتا ہے۔ اس کے بہترین مناظر کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ شاہان مغلیہ نے یہاں اپنے رہایش کے لئے مکانات بنوائے شہنشاہ جہانگیر کو سیر و تفریح اور قدرتی مناظر سے بہت دلچسپی تھی اور خاندان مغلیہ میں اس ذوق کے اعتبار سے اسکا ثانی نہیں ہوا جہانگیر جیسے منظر پرست اور فطرت سے ذوق رکھنے والے نازک طبع بادشاہ نے بھی اسکو پسند کیا اسکے کنارے باغ اور محلات تعمیر کئے اور مدتوں یہاں رہا۔ جہانگیر ایک بار کامل تین سال تک اجمیر میں رہا ہے اور اسکے علاوہ شاہان دہلی میں کوئی نہیں ہے جو اجمیر میں اتنے عرصہ تک رہا ہو۔ شاہجہان نے اسکے کنارے سنگ مرمر سے بارہ دریاں تعمیر کرکے اسکی دلچسپی میں بہت اضافہ کردیا ہے۔ آجکل یورپین سیاح بھی آنا ساگر کے دلربا مناظر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں جاسکتے۔ مسٹر کین ایک مشہور سیاح کہتے ہیں کہ:۔

"آنا ساگر ہندوستان میں ایک بہت خوبصورت تالاب ہے"

آرچیولاجیکل سروے رپورٹ بابت سنہ ۱۹۰۲ء میں ڈاکٹر فاہرر لکھتے ہیں کہ:۔



نقشہ تالاب آنا ساگر بمقام اجمیر شریف

"منجملہ ان بیشمار قدرتی مناظر کے جنہوں نے اجمیر کو قدیم ہندوستان کا ایک مشہور اور قابل دید شہر بنا دیا ہے آنا ساگر کو ایک عظیم ترین حصہ حاصل ہے۔"

کیپٹن کول اپنی کتاب "تحفظ آثار قدیم راجستھان" میں لکھتے ہیں کہ:-

"تالاب آنا ساگر کی دلچسپیوں نے اسکو شاہان مغلیہ کا مسکن بنایا اور اسی سلسلہ میں یہاں بیشمار باغات اور شاہی محلات تعمیر ہوئے۔"

موسم برشگال کی ایک دلفریب شام کا واقعہ ہے کہ ہم لوگ حسب معمول تفریحاً آنا ساگر پہونچے اور اوسکے بند پر ٹہلتے ہوئے قدرت کی وہ تمام دلفریبیاں اور شفق و ابر کی تمام نیرنگیاں اپنے آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جو شاید خاص اسیوقت کا حصہ تھیں ان دلکش مناظر نے ہمارے قلوب پر وہ عجیب اثرات چھوڑے ہیں کہ اس شام کی یاد آج بھی اپنے ساتھ وہ تمام جلوہ آرائیاں آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتی ہے معنی صاحب جنہیں فطرتاً شاعرانہ دل و دماغ عطا ہوا ہے اس منظر سے متاثر ہوئے اور اسکو نظم کیا۔ یہی نظم میں یہاں درج کرتا ہوں:-

واہ کیا خوب ہے یہ بوقلمونی منظر	شفق و ابر سے لبریز ہے آنا ساگر
کوئی دیکھے تو ذرا جلوۂ فطرت آئے	صاحب ذوق پرستار حقیقت آئے
جسنے فطرت کا یہ نظارۂ عریاں دیکھا	اتصال شفق و آب کا ساماں دیکھا
ابر میں ڈوب گئے پھر تازہ نکلتی ہے شفق	ہر گھڑی ایک نیا رنگ بدلتی ہے شفق
کبھی ہو جاتی ہے بادل کی سنہری رنگت	کبھی سرخی سے بدلجاتی ہے گہری رنگت
ہو گئی دیکھکے یہ رنگ طبیعت موزوں	کاوش شعر نے برجستہ لگائے مضموں
خوشگوار آب و ہوا نے مجھے دلدادہ کیا	شعر کہنے پہ مرے ذوق نے آمادہ کیا

موسمی کیفیتوں نے جو بنایا سرشار
طبع رنگین نے کیے نظم وہیں اشعار

اے اکہ ہستی صد مایۂ ناز اجمیر
تیری ہر موج طلائی ہے طراز اجمیر

تیری توصیف میں ہر ایک ستائش ہے بجا
تجھ پہ فطرت بھی کرے ناز تو نازش ہے بجا

رشتہ سوز حرم و دیر تیری رعنائی
ہر پرستندۂ فطرت ہے ترا شیدائی

جانتا ہے تجھے ہر مرتبہ دان فطرت
قطرہ قطرہ ہے ترا گوہر کان فطرت

منظر حسن ہے کیا دید کے قابل تیرا
دامن کوہ کے سایہ میں ہے ساحل تیرا

قطرہ قطرہ ہے ترا عکس شفق سے روشن
آتش و آب سے لبریز ہے تیرا دامن

تیرے فیضان سے کہسار ہے فردوس بریں
تجھ سے سرسبز ہے شاداب ہے جنگل کی زمین

تیرے نغموں سے ہو کس لئے انسان مسحور
کھیلتے ہیں ترے آغوش میں معصوم طیور

تینوں جانب سے پہاڑوں نے ہے گھیرا کیا خوب
مشرقی سمت ہے مرمر کا کٹہرا کیا خوب

اور اسی گھاٹ پہ ہیں چند قصور سیمیں
سبک و نازک و مضبوط و حسین و سنگیں

قصر فردوس ہر ایک بارہ دری ہے گویا
ہر ستون ایک خوش اندام پری ہے گویا

دلفریبی کے غرض جمع ہیں سارے ساماں
تیری بیتابی سے لیکن ہے زمانہ حیراں

آج بیتاب ہیں کس واسطے تیری موجیں
شکل سیماب ہیں کس واسطے تیری موجیں

رشک عصمت ہے جہاں میں تری تر دامانی
کس لئے ایسے ہوا جاتا ہے پانی پانی

ہو نہ ہو ہے تجھے منظور کسی کا درشن
مضطرب ہو کے جو پھیلائے ہوئے ہے دامن

تین سو سال کے بعد آج یہ پھر ہے اصرار
پھر ترے گھاٹ پہ ہو شاہجہانی دربار

تیری موجیں ہوں قدمبوسئ شہ سے ممنون
تیرا اقبال ہو گنگا و جمن سے افزوں

تیرے دامن میں عقیدت کے جو موتی ہیں بھرے
تیری حسرت ہے کہ تو شاہ پہ قرباں کرے

لیک صد حیف کہ این آرزوئی ناکام است
دشمن اہل وفا گنبد نیلی فام است

دولت باغ :- جہانگیر کو یہ قدرتی مناظر بہت مرغوب تہے اسنے تالاب کے کنارے ایک بہت بڑا باغ بنوایا جواب دولت باغ کے نام سے مشہور ہے اس باغ کے چاروں طرف پختہ چار دیواری تہی - یہ چار دیواری مسٹر سانڈرس صاحب کمشنر اجمیر کے عہد میں (۱۸۷۰ء) دور کردی گئی - اس باغ میں جہانگیر نے اپنے محلات بہی تعمیر کئے جیساکہ کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں محلات جہانگیری تہے جیمس اول شاہ انگلستان کا سفیر سر طامس رو ایک عرصہ تک یہاں رہاہے - اور اُسنے بہی جہانگیر کے محلات کا ذکر کیا ہے لیکن آجکل یہ عمارات باقی نہیں ہیں - البتہ کچھ حصہ ہے جو سہیلی بازار مشہور ہے - یہ بہی صرف کہنڈر ہیں - ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام محلات بہی پتہر چونے کے ہوں گے - کوئی سنگین عمارت ان میں نہیں تہی -

دولت باغ کے تین درجہ ہیں اور اسطرح واقع ہوئے ہیں کہ گویا ہر درجہ دوسرے درجہ سے مرتفع ہے - جہانگیر کی یہ عمارتیں دوسرے درجہ میں تہی - اس درجہ میں جہانگیر کے زمانہ کا ایک مربع حوض ابتک باقی ہے - اس حوض کی لمبائی اور اور چوڑائی ۵۰-۵۰ فیٹ ہے - اسمیں پانچ فوارے بہی ہیں -

گو کہ اب یہ باغ اسقدر دلکشا نہیں رہے لیکن پہر بہی باشندگان شہر کی سیر تفریح کے لئے کافی ہیں - شاہی زمانہ میں تو کسی پرندہ کی بہی مجال نہ تہی کہ ان میں پر مار سکتا - اسلئے کہ حرم یہیں رہتی تہیں لیکن آجکل یہ پبلک گارڈن ہے -

بارہ دریاں:- آنا ساگر کے قدرتی مناظر کی قدر دوسرے شاہان مغلیہ اور بالخصوص جہانگیر نے ضرور کی لیکن قدرت کو درحقیقت کچھہ اور منظور تھا۔ اس نواح کی اونچی پہاڑیاں کسی اور قدردان فطرت کیلئے چشم براہ اور تالاب آنا ساگر کی بیچین موجیں کسی نامور شہنشاہ کی یاد میں بیتاب تھیں کہ شاہجہان تخت نشین ہوا۔ شاہجہاں دنیا کے ان زبردست بادشاہوں میں سے تھا جنھوں نے اپنی یادگاریں عجائبات چھوڑے۔ تالاب آنا ساگر کی دلچسپیوں کی تکمیل شاہجہان پر موقوف تھے ۱۶۳۷ء میں شاہجہان نے ان کی تعمیر شروع کی۔ آنا ساگر کے بند پر سنگ مرمر سے ۱۲۴۰ فیٹ طویل چبوترا بنوایا اور اسپر پانچ بارہ دریاں تعمیر کیں۔ یہ بارہ دریاں قیمتی سنگ مرمر سے تعمیر ہوئی ہیں۔ ان کے مقابل ایک حمام بھی سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا تھا لیکن اب موجود نہیں ہے۔ صرف اس حمام کا چبوترہ ہے۔

بارہ دریوں کی وسطی عمارت ۴۶ فیٹ طویل ہے۔ یہ عمارت بالکل دہلی کے لال قلعہ کے دیوان خاص کا نمونہ ہے۔ اسکے سامنے ساحل تالاب پر بھی تین نشستیں بنی ہوئی ہیں جو دریا کی سیر کے لئے بنائی گئیں۔ شمالی بارہ دری جو تالاب کی چادر کے قریب تھی اور غالباً ان سب میں وسیع تھی اب اسکے صرف تین در باقی ہیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہہ بارہ دری کسوقت علیحدہ کی گئی لیکن میگزین میں سنگ مرمر کی ایک عمارت ہے جسمیں مندر رہتا۔ عام خیال ہے کہ مرہٹوں کے عہد میں یہہ بارہ دری میگزین میں لیجائی گئی۔

جنوبی کنارے پر سنگ سرخ کی ایک خوبصورت اور دلکش نشیمن بھی بنی ہوئی تھی۔ جو آگرہ میں دریائے جمنا کے کنارے ثمن برج سے بہت مشابہ تھی اسمیں

سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کی پچیکاری تھی لیکن اب یہ عمارت بھی موجود نہیں ہے۔ صرف اسکی کرسی باقی ہے۔ بہرحال اسمیں کوئی شک نہیں کہ شاہان مغلیہ کے عہد عروج میں یہہ ہندوستان میں بہترین جگہ ہوگی۔ قدرتی مناظر تو اب بھی موجود ہیں لیکن شاہان ہند کا جاہ جلال باقی نہیں ہے ؎

یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہوگئیں

دولت خانۂ اکبر (میگزین)

یہ چہار برجی عمارت جو بذات خود ایک چھوٹا سا قلعہ ہے ۹۷۸ھ مطابق ۱۵۷۰ء میں فصیل شہر کے ساتھہ شاہنشاہ اکبر کے حکم سے تعمیر ہوئی۔ اسکے چار برج نہایت وسیع اور عالیشان ہیں اور ان میں رہائش کیلئے ہر قسم کے مکانات بنے ہوئے ہیں چہار برجی کے وسط میں ایک عمارت بطرز دیوان خانہ بنی ہوئی ہے جو سنگ سرخ کی ہے۔ اسکے چاروں طرف ایک اور فصیل ہے جو اب اکثر مقامات پر بوجہ آبادی توڑ دی گئی ہے۔ اس فصیل کے چاروں طرف ایک گہری خندق تھی جسمیں ہر وقت پانی بھرا رہتا تھا۔ یہ خندق اب نہیں رہی بلکہ اسکو پاٹ دیا گیا ہے اور اسجگہ مکانات بن گئے ہیں۔

اکبر کے بعد جہانگیر، شاہجہاں اور عالمگیر کے عہد تک یہہ عمارت شاہی محلات کے لئے استعمال ہوتی رہی۔ جب کبھی بادشاہ اجمیر آتے تو وہ یہیں ٹھہرتے اکبر شاہان مغلیہ میں وہ بادشاہ ہے جو متعدد بار اجمیر آیا لیکن اسکو یہاں زیادہ ٹھہرنے

کا اتفاق نہیں ہوا۔ جہانگیر یہاں سب سے زیادہ رہا۔ ایک مرتبہ تین سال تک وہ یہاں مستقل طور سے رہا۔ شاہجہاں بھی کئی بار آیا اور اُسنے تالاب آناساگر کے بند پر بارہ دریاں تعمیر کیں۔ عالمگیر نے شہزادہ اکبر کی بغاوت کے زمانہ میں اسکو مستحکم کیا اور اسمیں رہائش اختیار کی۔ مرہٹوں کے زمانہ میں یہاں ان کا صوبہ دار رہتا تھا جب ۱۸۱۸ء میں یہ عمارت برطانیہ کے قبضہ میں آئی تو اس کو فوجی رہائش کے لئے استعمال کیا گیا لیکن آجکل اسمیں تھانہ تحصیلدار کا دفتر اور آنریری مجسٹریٹوں کی عدالتیں ہیں۔

وسطی دیوان خانہ میں راجپوتانہ میوزیم ہے۔ اس میوزیم کا افتتاح ۱۹ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو آنریبل مسٹر۔ ای۔ جی کالون سی۔ ایس۔ آئی۔ ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ نے کیا۔ اس میوزیم میں بہت سے قدیم سکے سنگین کتبے اور قدیم بت ہیں جن سے راجپوتانہ کی قدیم تاریخ پر بہت کچھ روشنی پڑ سکتی ہے۔ اسمیں ایک کتبہ ہے جو ۴۲۵ء کا ہے۔ اسیطرح قدیم ہندو دیوتاؤں کے بت ہیں جو راجپوتانہ اور نواح اجمیر میں مدفون پائے گئے۔ ڈھائی دن کے جھونپڑے کے صحن میں بھی جو بت گڑے ہوئے پائے گئے وہ بھی یہیں ہیں۔

میو کالج

میو کالج اپنی نوعیت کے اعتبار سے جسطرح ہندوستان کی ایک درسگاہ ہے۔ اسیطرح اسکی عمارت بھی نہایت خوشنما اور دلفریب واقع ہوئی ہے۔ اس کا پھیلاؤ ۱۶۷ ایکڑ زمین میں ہے جسمیں کالج کی عمارت کے علاوہ راجگان کی کوٹھیاں

بھی بنی ہوئی ہیں۔ کالج کی عمارت کے علاوہ یہہ عمارات بھی شاندار ہیں:۔
(۱) جیپور ہاؤس (۲) اودیپور ہاؤس (۳) کوٹہ ہاؤس (۴) جودھپور ہاؤس (۵) بیکانیر ہاؤس (۶) الور ہاؤس (۷) بھرتپور ہاؤس (۸) جھالاوار ہاؤس (۹) اجمیر ہاؤس (۱۰) ٹونک ہاؤس (۱۱) کشمیر ہاؤس (۱۲) ہاتھوا ہاؤس (۱۳) بیکانیر پویلین (۱۴) الور گیٹ۔

میو کالج (ایٹن ہند) کی بنیاد ۱۸۷۵ء میں رکھی گئی اور یہہ صرف راجگان ہند کی تعلیم و تربیت کے لئے قایم کیا گیا اور اُنہی کے لئے مخصوص ہے اجمیر راجپوتانہ کے وسط میں واقع ہوا ہے اور اوسکے چاروں طرف ریاستیں ہیں اسلئے یہاں ایک ایسے کالج کا قیام بہت موزوں مناسب اور ضروری تھا سب سے پہلے کرنل والٹر ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ نے یہ ضرورت محسوس کی اور گورنمنٹ آف انڈیا کو اس جانب توجہ دلائی۔ ۲۲۔ اکتوبر ۱۸۷۰ء کو لارڈ میو نے ایک عظیم الشان دربار راجگان راجپوتانہ کا اجمیر میں منعقد کیا اور اسی موقعہ پر اس کالج کے قیام کی تحریک کی گئی اور روسا کو اسکی ضرورت جتلائی گئی۔ قریبًا ۷ لاکھ روپیہ چندہ کا اسوقت وعدہ کیا گیا ۱۸۷۱ء میں ۱۶۷ ایکڑ زمین اسی مقصد کے لئے خریدی گئی۔ جولائی ۱۸۷۷ء سے تعمیر کا کام شروع ہوا ۱۸۸۵ء میں یہہ عمارت بنکر تیار ہو گئی۔

یہ عمارت سنگ سفید سے تعمیر ہوئی ہے اور نہایت خوش قطع اور خوبصورت ہے۔ اسمیں ۱۲۷ فیٹ اونچا ایک مینار ہے جسکے چاروں طرف گھڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ اسکا گنبد نہایت صنعت سے بنایا گیا ہے۔ بہرحال اجمیر کی جدید عمارات

ہیں میو کالج کی عمارت بہت شاندار اور قابل دید ہے۔ کالج کی عمارت کے سامنے ۶ فیٹ بلند چبوترے پر لارڈ میو کا سنگین مجسمہ نصب ہے یہ مجسمہ سنگ اسود کا ہے اور اوسکی تیاری میں چودہ ہزار چار سو اٹھاسی روپیہ صرف ہوا۔

دیگر مقامات جو قدیم ہیں

بادشاہی بلڈنگ (پرانی سایر)

غالبًا یہ عمارت ۱۵۶۷ء میں بعہد شاہنشاہ اکبر تعمیر ہوئی میگزین کی وسطی سنگین عمارت سے یہ بہت مشابہ ہے۔ یہہ عمارت کس مپرسی کے عالم میں تھی اور اسکا اکثر حصہ دوکانداران نیابازار نے اپنی متصلہ دوکانوں سے ملحق کرلیا تھا لیکن ۱۹۰۶ء میں محکمہ تحفظ آثار قدیمہ نے اسطرف توجہ کی متصلہ دوکانیں بذریعہ معاوضہ منہدم کرادی گئیں اور عمارت کی درستی و مرمت کی گئی۔ یہہ عمارت نیابازار میں واقع ہے۔ بالعموم یہہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ عمارت بھی شہنشاہ اکبر نے میگزین کے ساتھ ہی تعمیر کی۔

مقبرہ سید عبداللہ خاں: سید عبداللہ خاں فرخ سیر شاہ دہلی کے عہد میں عہدۂ وزارت اور منصب پنجہزاری سے سرفراز تھے۔ انہوں نے اس جگہ ایک باغ اور مسجد کی بناڈالی۔ جب ان کا انتقال ہوا تو اس باغ میں ان کو دفن کیا گیا اور ان کے لڑکے امیرالامرا سید حسین علی خاں نے یہہ خوشنما اور مضبوط مقبرہ سنگ مرمر سے تعمیر کرایا۔ مقبرہ کے صدر دروازہ پر ھو اللہ باقی و من کل فانی۔ اور ۱۱۲۷ھ کندہ ہے۔

مقبرہ کی جنوبی محراب پر یہ اشعار کندہ ہیں :-

ہوالغفور الرحیم

امیر عادل عبداللہ خاں عالیشان | چو رخت بست ز دار فنا بہ دار جناں
حسین خلق علی بود نیر تابان | کہ ہست حسین علی خاں باتفاق جہاں
دیانت آئین یعنی ہدایت اللہ را | اشارہ کرد ز ابروئے حکم لطف نشاں
چو بہر سید شاہی لقب بہشت نشیں | بنا کنند چو فلک روضۂ علو الشاں
سروش غیب ز سال بنائے اشرف او | بگفت "روضۂ عالی بگوش دل پنہاں"

مذکورہ بالا باغ کا نشاں اب نہیں ملتا لیکن مسجد ابتک موجود ہے جو مقبرہ کے جانب غرب ہے - یہ مسجد بھی بہت خوبصورت بنی ہوئی ہے - محراب مسجد پر یہ کتبہ کندہ ہے :-

از اہتمام دانش تعمیر این مکان | آراستہ بروئے زمین باد جاوداں
باغے و مسجد یست نشان از چنین عیاں | تاریخ این بنائے نکو روضۂ جناں

ان اشعار سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد کے ساتھ باغ بھی تھا جسکا اب نام و نشان نہیں ہے - مقبرہ کے قریب ہی ایک سرائے بھی ہے جو سرائے عبداللہ پورہ کہلاتی ہے - یہہ مقبرہ بھی غیر آباد پڑا ہوا تھا بلکہ لوگ اسکو اپنے قبضہ میں لا چکے تھے لیکن دو چار سال قبل محکمہ تحفظ آثار قدیمہ اس جانب متوجہ ہوا اور اسکی ضروری مرمت کی گئی اب ایک چوکیدار بھی مقرر کر دیا گیا ہے -

اس مقبرہ کے مقابل سڑک کی دوسری جانب ایک مربع چبوترے پر سنگ مرمر کا جالیدار احاطہ ہے جسمیں سید عبداللہ خاں کی بیوی مدفون ہیں -

عیدگاہ

شہر کے جانب مشرق وشمال عیدگاہ ہے ۱۱۸۷ھ میں نواب مرزا چمن بیگ ابن مرزا عادل بیگ نے تعمیر کرایا۔ طول ۱۳۰ گز اور عرض ۴۰ گز ہے۔ محراب وسطی پر سنگ مرمر کی لوح میں یہہ کتبہ کندہ ہے:۔

شہ ملک توحید خواجہ معین | جبیں بر درش سود عرش برین
زفیضش شدہ فرد زیب جہاں | یگانہ زماں فخر دین متین
زلطف وکرم آن ولی الہ | شدہ شمس دین نور شرع مبین
بتاریخ سالش خرد این بگفت | شد آراستہ معبد اہل دین

عیدگاہ کے باہر ایک اور صحن ہے جسکی فرش خام ہے اور اسمیں ایک کنواں بھی ہے۔ یہ صحن بھی اتنا ہی طویل وعریض ہے جتنا کہ عیدگاہ ہے اور اسکے چاروں طرف ایک پختہ چار دیواری ہے جسکے دو دروازے ہیں ایک جانب شرق اور دوسرا جانب شمال۔

نور چشمہ جہانگیری

تاراگڈھ کے دامن میں ایک خوبصورت اور خوشنما وادی ہے جسکے دونوں طرف بلند پہاڑ ہیں۔ یہہ وادی عجیب قدرتی مناظر کا منبع ہے۔ جگہہ جگہہ پہاڑوں سے آبشارین جاری ہیں اور یہہ جگہہ کشمیر کا ایک خطہ معلوم ہوتی ہے۔ اس جگہ بہت پرانے اور قدیم مکانات کے آثار بھی پائے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک زمانہ میں شہر آباد تھا۔ زمین کھودنے پر اکثر بہت بڑے بڑے گلی ظروف اور

اینٹیں بھی نکلتی ہیں۔ یہیں سے نکلے ہوئے بعض برتن طاقا طوقا شہید کی درگاہ میں رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ قدیم عمارات جن کے آثار یہاں پائے جاتے ہیں بالکل اُلٹی ہیں۔ اسیطرح ظروف وغیرہ بھی الٹے پائے گئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی روحانی قوت نے اس شہر کو الٹ دیا یا کبھی زلزلہ سے اسکی یہہ حالت ہو گئی۔

جہانگیر کی طبیعت کو فطرت سے بہت لگاؤ تھا چنانچہ جب وہ اپنے جلوس کے دسویں سال آیا تو اُسنے یہاں ایک عالیشان محل تعمیر کیا۔ اقبالنامہ اور تزک جہانگیری میں خود جہانگیر نے اسکا ذکر اسطرح کیا ہے:۔

"نواح اجمیر میں ایک نہایت دلکش اور خوشنما وادی ہے جسکی انتہا پر ایک شیریں چشمہ ہے اسکا پانی اجمیر کے پانی کی بہ نسبت زیادہ سبک اور بہتر ہے۔ یہ وادی اور چشمہ حافظ جمال کے نام سے مشہور ہے میں وہاں گیا تو میں نے حکم دیا کہ اس جگہ کی مناسبت سے ایک موزوں اور عمدہ عمارت تعمیر کیجائے ایک سال میں یہ عمارت بنکر تیار ہو گئی اور اسقدر عمدہ بنی کہ میں نے لوگوں سے کسی اور جگہ اس عمارت کے مثیل ہونے کا ذکر نہیں سنا۔ اسی کے ساتھ ایک حوض بھی چالیس گز طویل و عریض بنایا گیا۔ اور ایک چشمہ سے اسمیں پانی لانے کا راستہ بنایا۔ اس حوض میں ایک فوارہ ہے جس کا پانی بارہ گز تک بلند ہو کر گرتا ہے۔ اس حوض کے کنارے پر ایک نفیس دالان ہے اسیطرح اسکے بالائی حصہ پر جہاں تالاب اور چشمہ واقعہ ہے خاطر پسند آرامگاہیں اور دلکش ایوان تعمیر ہیں۔ ان میں سے بعض ان تصاویر سے مزین ہیں جو فن تصویر کے چابکترین استادوں کی صنعت کا نمونہ ہیں۔ میری خواہش تھی کہ اسکا نام اپنے نام کی نسبت سے رکھوں

اسلیئے میں نے اسکا نام "چشمۂ نور" تجویز کیا۔ اس چشمہ میں صرف یہی تکلیف ہے کہ شہر سے دور ہے۔ اور اسکے قریب کوئی بڑی سڑک نہیں ہے۔ جمعرات اور جمعہ کو میں اکثر یہیں رہتا ہوں۔ میرے حکم سے شعرائے دربار نے تعمیر محل کی تاریخیں لکھی سعدائی گیلانی زرگیلانی نے یہہ تاریخ حضور میں پیش کی جو خوب ہے:۔

محل شاہ نورالدین جہانگیر

۱۰ ھ ۲۳

میں نے حکم دیا کہ اسکو عمارت زیرین کی محراب پر ایک سنگین لوح میں کندہ کر کے نصب کر دیا جائے"۔ سنگ مرمر کی ایک لوح پر یہ اشعار بھی کندہ ہیں:۔

بلند اقبال شاہ ہفت کشور — کہ وصف اونمی گنجد بہ تقریر
فروغ خاندان شاہ اکبر — شہنشاہ زماں شاہ جہانگیر
درین سرچشمہ چون آمد ز فیضش — روان شد آب خاکش گشت اکسیر
شہنشہ کرد نامش چشمۂ نور — شدہ آب خضر زو چاشنی گیر
دہم سال از جلوس شاہ غازی — بحکم بادشاہ نیک تدبیر
بطرف چشمۂ نور این عمارت — جہاں آرائے شد از روئے تقریر

خرد تاریخ اتمامش رقم زد
محل شاہ نورالدین جہانگیر

یہ جگہ جہانگیر کے سیر وشکار کی جگہ تھی اور تزک جہانگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے یہاں اکثر جانوروں اور شیر کا شکار بھی کیا ہے۔ آجکل عمارت زیرین تو صحیح سالم ہے

لیکن بالائی دالان اور آرامگاہیں بہت شکستہ حالت میں ہیں۔ جہانگیر نے جس حوض کا ذکر کیا ہے اب اس کا پتہ نہیں ملتا البتہ اسوقت کا ایک باغ ابتک ہی جسمیں ابنہ اور جامن کے کچھ درخت ہیں۔

آجکل بھی یہ جگہ شہر والوں کے لئے ایک اچھی سیرگاہ ہے اور موسم بارش میں خاص طور سے لوگ تفریح کے لئے جایا کرتے ہیں۔ لیکن جہانگیر کے عہد میں اس جگہ کی دلفریبی کا اندازہ آج اس تباہ حالت میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ جہانگیر کے دربار میں جیمس اول شاہ انگلستان کا سفیر سرطامس رو حاضر ہوا تھا اور ایک مدت تک باریابی کے انتظار میں یہاں مقیم رہا۔ اسنے نورچشمہ کی یہ حالت بیان کی ہے:-

"یکم مارچ ۱۶۱۶ء کو میں اجمیر سے دو میل پر بادشاہ کی سیرگاہ اور محلات دیکھنے گیا۔ اسکے چاروں طرف اتنی اونچی اونچی پہاڑیاں ہیں کہ سورج کی کرنوں کو مشکل ہی سے سطح زمین تک پہونچنا نصیب ہوتا ہے۔ یہاں پانی کے چشمے جو پہاڑیوں سے جاری ہیں بادشاہی محلات۔ ایک چھوٹا سا خوبصورت باغیچہ جسمیں پانچ فوارے تھے۔ دو بڑے بڑے تالاب وغیرہ دیکھے۔ نیچے کے حصہ کے لئے ایک زینہ ہے جسمیں تیس سیڑھیاں ہیں اس جگہ کا راستہ بہت دشوار گذار ہے اور پتھریلا۔ اس جگہ بالکل تنہائی ہے اور گوشہ نشینی کی سکون آمیز مسرت یہاں خوب حاصل ہوسکتی۔ اردگرد کی پہاڑیوں میں جنگلی مور الو اور بندر بکثرت ہیں"۔

اس وادی کے مشرقی کنارے پر وہ تاریخی میدان ہے جہاں شہنشاہ اورنگ زیب کی تخت نشینی کا قطعی فیصلہ ہوا۔ اس زمانہ کی مورچہ بندی اور استحکامات کے کچھ دھندلے نشانات اب بھی یہاں موجود ہیں۔ یہی وہ فیصلہ کن جنگ ہے جسکے بعد

عالمگیر بلامزاحمت ہندوستان کا شہنشاہ ہو گیا۔

چلہ بی بی حافظ جمال

اسی درہ میں ایک غار ہے جسکے متعلق مشہور ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ علیہ الرحمۃ کی مشہور و معروف صاحبزادی بی بی حافظہ جمال نے اسمیں چلہ کشی کی تھی۔ ہر سال ۱۹ ار رجب کو یہاں میلہ ہوتا ہے۔ اس چلہ کی نسبت سے یہ مقام بھی حافظ جمال کہلاتا ہے۔ جہانگیر نے بھی تزک میں اسی نام سے اسکو یاد کیا ہے۔

طاقا طوقا شہید

اسی وادی کے جانب غرب ایک پہاڑی پر دو مزار ہیں جو امیر ترغان کے کہے جاتے ہیں بعض کا خیال ہے کہ یہ بزرگ سلطان قطب الدین ایبک کے عہد میں ہندوں کے ہاتھوں سے شہید ہوئے لیکن بعض کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی کے عہد میں یہ بزرگ ایک معرکہ میں اپنے بہت سے سپاہیوں کے ہمراہ شہید ہوئے۔ اسی جگہ اور بھی بے شمار قبریں ہیں جو انہی شہدا کے مزارات کہے جاتے ہیں۔ اس درگاہ میں کچھ دالان اور کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں لوگ اسکو طاقا طوقا شہید کہتے ہیں ہر سال ۱۹ ار رجب کو یہاں عرس ہوتا ہے۔

سوت برج

لوگ اسکو روٹھی رانی کا محل کہتے ہیں لیکن وجہ تسمیہ غیر معلوم ہے۔ یہ تین عالیشان برج

ہیں جو راؤ مالدیو راٹھور نے سولہویں صدی عیسوی میں تعمیر کئے۔ یہ برج محل جہانگیر کے اوپر ایک پہاڑ پر بنے ہوئے ہیں اور دراصل قلعہ تارا گڈھ پر چشمہ سے پانی لیجانے کے لئے بنوائے گئے لیکن اسکی تعمیر ناتمام رہی اور تکمیل نہو سکی۔ یہ برج اگر تکمیل ہو جاتے تو قدیم ہندوستان کی صناعی کا بہترین نمونہ ہوتے۔

تالاب بیسلہ

بیسلہ کسی زمانہ میں اجمیر کے خوبصورت مقامات میں تھا۔ یہ ایک بیضوی شکل کا تالاب ہے جسکو راجہ بیسلدیو نے (۱۱۵۲-۶۳ء) بنوایا راجستان کی ایک قدیم منظوم تصنیف "پرتھی راج راسا" میں اسکے بنا کی وجہ یہ تبلائی گئی ہے کہ راجہ بیسلدیو ایک بار شکار سے واپس آرہا تھا۔ یہاں اُسنے دیکھا کہ چشمے جاری ہیں اور آس پاس خوبصورت پہاڑیاں ہیں تو اُسنے حکم دیا کہ پشکر کی طرح ایک تالاب یہاں بنوایا جائے چنانچہ تالاب بیسلہ کا بند تعمیر ہوا:-

तब देखि नरिन्द अनुप ठाम
निर्झर गिरन्द बन पूजासि राम
बुल्लाय लिये मंत्री प्रधान
सर रचो इहां पुहकर समान

(پرتھی راج راسا)

اس تالاب کا دور ڈھائی میل ہے۔ اسکے چاروں طرف مندر بنے ہوئے تھے اور تالاب کے بیچ میں دو ٹاپوں پر راجہ کے محل بنے ہوئے تھے لیکن آج ان محلات

نقشہ تالاب بیسلہ بمقام اجمیر شریف



اور مناروں کا پتہ نہیں ملتا۔ تزک جہانگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ۱۶۱۱ء میں شہنشاہ جہانگیر یہاں تشریف لائے تو انہوں نے اس تالاب کی مرمت کا حکم دیا۔ بہرحال ایک زمانہ میں یہ تالاب اپنی خوبصورتی اور دلچسپ منظر کے اعتبار سے بہترین مقام تھا۔ لیکن اب قریب قریب برباد ہو چکا ہے۔ اسکے قریب ریلوے لائن اور اجمیر کا اسٹیشن ہے اسلئے اسکا بند بالکل توڑ دیا گیا ہے۔ پانی اسمیں جمع نہیں رہ سکتا۔

مسجد گھیسو خاں

محلہ اندرکوٹ میں قلعہ تاراگڈھ کی سڑک کے جانب غرب یہ ایک قلندری مسجد ہے جسکی تاریخ بنا ۹۷۶ھ ہے۔ اسکے جنوب میں ایک باولی بنی ہوئی ہے۔ اسکے قریب ہی ایک پختہ حوض بھی تھا مگر اب اسکا وجود نہیں ہے۔ ایک زمانہ میں یہاں ایک باغیچہ بھی تھا اسوقت اسکے قریب ایک حمام کا کھنڈر رہی ہے۔ مسجد کی محراب پر سنگ مرمر کی لوح میں یہ اشعار کندہ ہیں:۔

بعہد حضرت شاہ فلک قدر — پناہ دین احمد ظل یزدان
جلال الدین محمد شاہ اکبر — سکندر حشمت و دارائے دوران
بیمن ہمت خان حسن خلق — سپہر جود گھیسو خان عمران

زہجرت نہصد و ہفتاد و شش بود
کہ شد تعمیر این سقائے میران

محلہ اندرکوٹ

ہندی کتابوں میں تحریر ہے کہ چار ہزار برس پہلے راجہ اندرسین نے یہاں ایک شہر بسایا تھا اور اسکا نام اندرکوٹ رکھا۔ پہلے اس شہر میں بیشمار بتخانے تھے اور ہر بتخانے کے روبرو ایک سنگین باولی بنی ہوئی تھی مسلمان فاتحین نے اس تمام بتخانوں کو توڑکر مسمار کردیا لیکن یہ باولیاں ابھی تک قایم ہیں۔ یہ روایت صحیح ہو یا غلط لیکن اسمیں شبہ نہیں کہ کسی زمانہ میں یہاں شہر آباد تھا ان باولیوں کی طرز تعمیر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بتخانوں کی باولیاں تھیں۔ آجکل اس محلہ میں سب مسلمان آباد ہیں۔

ناتواں شاہ کا تکیہ

یہ جگہ درگاہ حضرت خواجہ صاحب کے جانب شرق و شمال فصیل شہر میں واقع ہے۔ ناتواں شاہ عہد شہنشاہ اکبر میں ایک بزرگ کامل درویش تھے وہ یہاں پہاڑ کی ایک غار میں حبس دم کئے ہوئے ایک مدت سے بیٹھے ہوئے تھے جب اکبر کے حکم سے فصیل شہر تعمیر ہونا شروع ہوئی اور اسجگہ بنیاد کھدنے لگی تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ کوئی درویش یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ داروغہ تعمیر کو اسکی اطلاع ہوئی۔ وہ آیا اور آپ سے کہا کہ آپ کوئی اور جگہ پسند فرماکر وہاں تشریف لے جائیں اسلئے کہ یہاں حکم جہاں پناہ سے فصیل شہر تعمیر ہوگی۔ بزرگ نے جواب دیا کہ فقیر جہاں بیٹھا بیٹھ رہا

حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے
اور ہونگے تری محفل سے ابھرنے والے

بالآخر مجبور ہو کر فصیل میں ایک گنبد لتبکل برج بنادیا گیا اور شاہ صاحب وہاں سے نہ اُٹھے۔ یہ درویش یہیں دفن کئے گئے۔ یہ مقام آجکل گروہ مداریہ کے فقرا کا مرجع بن گیا ہے۔

چلہ خواجہ صاحب

تالاب آناساگر کے جانب جنوب جو پہاڑی ہے اسپر کئی چلے بنے ہوئے ہیں منجملہ ان کے ایک خواجہ صاحب کا چلہ بھی ہے۔ جب حضرت خواجہ بزرگ علیہ الرحمۃ اجمیر تشریف لائے تو آپ نے سب سے پہلے اسی جگہ اقامت اختیار فرمائی۔ یہاں ایک غار ہے جسمیں آپ ایک عرصہ تک گوشہ نشین اور چلہ کش رہے۔ اس غار میں ایک سنگین تخت ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ آپ اسپر بیٹھکر عبادت فرماتے تھے۔ ۱۰۳۷ھ میں مہابت خاں صوبہ دار اجمیر کے شقدار دولت خاں نے چلہ کے روبرو ایک سنگین محوطہ بنوایا۔ اسکے دروازہ پر یہ اشعار کندہ ہیں:۔

بزمان شہ رفیع القدر — حامی شرع دین شہاب الدین
رونق عدل وجود داد چناں — کہ بناز داز وزمان و زمین
گشت والئ صوبۂ اجمیر — خانخاناں بعزت وتمکین
پاک دین پاکباز دولت خاں — بود شقدار او برسم امین
ساختہ این مکان چلہ چشت — تا بود یادگار او بزمین

سال تاریخ طالبی گفتا
سی و ہفت و ہزار بود سنین

اس احاطہ میں اور بھی کئی صلحا کے مزارات ہیں۔ وقتاً فوقتاً یہاں کی عمارات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اب اس احاطہ میں ایک مسجد اور ایک نہایت خوبصورت سہ دری بنی ہوئی ہے۔ اسکے سامنے چبوترے پر سائیں جی معروف گدڑی شاہ صاحب کا مزار ہے جسپر سنگ مرمر کی ایک مختصر سی خوبصورت بارہ دری بنی ہوئی ہے۔ گدڑی شاہ صاحب موجودہ زمانہ میں ایک اچھے بزرگ تھے۔ ہر سال ماہ رمضان میں ان کا عرس ہوتا ہے اسی چبوترے پر اجمیر کے ایک رئیس خانصاحب منشی وزیر بخش آنریری مجسٹریٹ۔ میونسپل کمشنر و پریسیڈنٹ درگاہ معلی بھی مدفون ہیں۔

چلہ سالار غازی

چلہ خواجہ صاحب کے اوپر پہاڑ کی چوٹی پر سنگ سُرخ کا ایک چبوترہ ہے اور اسپر ایک مقبرہ بنا ہوا ہے۔ اس گنبد میں ایک سنگ مرمر کی قبر ہے جسکے سرہانے سنگ مرمر کی ایک چوکی رکھی ہوئی ہے۔ یہ نہیں بتلایا جا سکتا کہ اس مزار میں کون بزرگ آسودہ ہیں لیکن یہ مقام چلہ سالار مسعود غازی مشہور ہے لیکن حضرت سالار مسعود غازی کا مزار بہرائچ میں ہے اور ان کا اجمیر آنا کتب تاریخ سے تحقیق نہیں ہے

شادی دیو

اسی پہاڑ پر خواجہ صاحب کے چلے کے جانب شمال تالاب آنا ساگر کے اوپر ایک

گنبد ہے جسمیں چکی کا ایک بہت بڑا پاٹ رکھا ہوا ہے ہندو لوگ اسپر سیندور اور کھوپرا چڑہاتے ہیں لیکن یہاں کا پجاری مسلمان ہے۔ یہاں کے ہندؤں کا دستور ہے کہ جب کسی کی نئی شادی ہوتی ہے تو دولہا اپنی دلہن کو ہمراہ لیکر وہاں جاتا ہے اور ناریل و دیگر اشیاء وہاں چڑہاتا ہے۔ ہندؤں کا خیال ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو میاں بیوی کے تعلقات میں بہت جلد کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ خواجہ صاحب نے ایک جن کو مسلمان کر کے اس کا نام شادی رکھا تھا۔ یہ اسی کا چلہ ہے۔

چلہ قطب صاحب

اسی پہاڑ کے شرقی دامن میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کا چلہ بنا ہوا ہے۔ خواجہ قطب الدین علیہ الرحمۃ حضرت خواجہ بزرگ اجمیریؒ کے خلیفہ اعظم تھے۔ آپ جب کبھی اجمیر تشریف لاتے تو اسی جگہ قیام فرماتے تھے۔ سنہ ۱۱۹۰ھ میں مولانا شمس الدین مرید مولانا فخر الدینؒ دہلوی نے یہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ یہ مسجد پختہ لداؤ ہے اور اسکے تین در ہیں۔ اسپر ایک کتبہ کندہ تھا مگر اب اسکے شعر فرسودہ ہو جانے کے باعث پڑھے نہیں جاتے صرف یہ ایک شعر پڑہا جاتا ہے

از پے تاریخ سالش ہاتف از روئے نوید
داد پاسخ گو مورخ ذکر ہو رب مجید

چلہ کے دوسرے صحن میں محمد شاہ خاں کی قبر ہے۔ یہ نواب امیر خاں والیٔ ٹونک کے ساتھیوں میں تھے اس احاطہ کے جانب غرب سنہ ۱۲۳۹ھ میں محمود خاں نائب

محمد خاں نے تعمیر کی۔ قبر کی لوح پر یہ کتبہ کندہ ہے:۔

اللہ اکبر

مزار محمد شہ دین پناہ — بنا کرد محمود عالی نگاہ

زہے مقبرہ۔ مسجد و خانقاہ — ز تاریخ تعمیر گوید لطیف

ہر سال ۱۴ ربیع الاول کو اس جگہ میلہ ہوتا ہے۔

چلہ شاہ مدار

اجمیر کے شرقی پہاڑ کی بلند ترین چوٹی پر سید بدیع الدین عرف شاہ مدار مکن پوری کا چلہ ہے۔ جس چوٹی پر یہ چلہ ہے وہ قریباً سات سو فیٹ بلند ہے۔ یہاں ایک پختہ گنبد اور اسکے آگے پانی کا ایک حوض ہے۔ اسی حوض کے کنارے ایک چھتری بنی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک جنّی کی چھتری ہے۔

چلہ پیران پیر

یہ چلہ درگاہ خواجہ صاحب کی پشت پر ایک پہاڑ پر واقع ہے۔ گو کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کبھی اجمیر تشریف نہیں لائے لیکن اس مقام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک شخص سید سونڈا شاہ بغداد ہی مزار شیخ عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز سے ایک اینٹ یہاں لایا تھا۔ اسنے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ یہ اینٹ اسکی قبر میں لگائی جائے۔ اسکی وصیت پر عمل کیا گیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد یہ جگہ چلہ محبوب سبحانی کے نام سے مشہور ہو گئی نواب جمشید علی خاں مرحوم نے شمال رو دو درجہ کا

دالان یہاں بنوایا اور وقتاً فوقتاً عمارتیں بنتی رہیں۔ اسمیں پانی کا ایک وسیع حوض بھی ہے اسکے اوپر خوشنما دالان بنے ہوئے ہیں۔ ہر سال ۱۱۔ ربیع الآخر کو یہاں میلہ ہوتا ہے اس پہاڑ سے اجمیر کا نظارہ خوب معلوم ہوتا ہے۔

سیسہ کان

جس پہاڑی پر بڑے پیر صاحب کا چلہ ہے اسکے شرقی دامن میں سیسہ کی کان ہے جو ایک غار کی شکل میں بہت دور تک پہاڑ میں چلی گئی ہے۔ اس غار کے اندر کئی کوئیں ہیں جنکا پانی نہایت شفاف اور سرد ہوتا ہے۔ آجکل اسمیں سے سیسہ نہیں نکلتا۔ جیٹھ اور بیساکھ کی گرمیوں میں بھی یہ کان اندر سے اسقدر سرد رہتی ہے اور اسکے اندر ایسی سرد ہوائیں آتی رہتی ہیں کہ اچھی خاصی سردی معلوم ہونے لگتی ہے۔

ملوسر

تاڑاگڈہ کے شرقی دامن میں یہ ایک پانی کا چشمہ ہے۔ کسی زمانہ میں یہاں باغ بھی تھا۔ اب بھی کچھ درخت ہیں۔ اسکے قریب ایک دوسرا حوض بھی ہے۔ یہ دونوں حوض سنگین ہیں۔ اور انکے گھاٹ بھی بنے ہوئے ہیں تحقیق یہ ہے کہ یہ دونوں حوض ملو اقبال خان اور ملو خان نے بنوائے۔ ملو خان ملو اقبال کا لڑکا تھا اور خاندان خلجی کے زوال پر اُسنے اپنا لقب سلطان قادر اختیار کر لیا تھا۔ ملو خان سلطان محمود خلجی کے عہد میں اجمیر کا حاکم تھا۔ اور سلطان کی وفات پر بطور خود حکمران بن گیا۔ یہ جگہ آجکل کربلا کے لئے استعمال کیجاتی ہے اور شہر کے اکثر تعزیہ اسمیں ٹھنڈے

کئے جاتے ہیں۔ اس روز یہاں بڑا ہجوم رہتا ہے۔

مقبرہ حسین علی خاں

یہ مقبرہ پڑاؤ میں واقع ہے اور آجکل پیلی کوٹھی کے نام سے مشہور ہے اس مقبرہ میں امیر الامرا سید حسین علیخاں وزیر فرخ سیر شاہ دہلی مدفون ہیں اور اس مقبرہ کو بنے ہوئے قریباً دو سو سال ہوئے۔ آجکل یہ عمارت ایک ہندو مہاجن کے قبضہ میں ہے جسنے اسکو ایک کوٹھی کے طرز پر بنوالیا ہے قبر کا تعویذ بھی اب نہیں ہے۔

درگاہ بازار

یہ بازار دہلی دروازہ سے درگاہ شریف کے زینہ اولین تک شہنشاہ اکبر کے حکم سے ۹۷۰ھ میں تعمیر ہوا۔ اجمیر میں صرف یہی ایک شاہی بازار ہے جسوقت یہ بازار بنایا گیا تو اسکے دو کالونی کی شرقی لائن کے پیچھے ایک راستہ درگاہ شریف سے محلات شاہی (میگزین) تک بھی بنایا گیا تھا۔ بیگمات شاہی اسی راستہ سے درگاہ میں آیا کرتی تھیں۔ یہ راستہ اب موجود نہیں ہے۔ ایک زمانہ میں یہ بازار تجارت کا بھی مرکز تھا لیکن اب اسمیں کوئی تجارتی خوبی نہیں ہے۔

مسجد سید محمدؒ

درگاہ شریف سے دہلی دروازہ کو جاتے ہوئے درگاہ بازار میں چار عالیشان مساجد ہیں جو دو کالونی کی چھتوں پر بنی ہوئی ہیں۔ پہلی مسجد سید محمد کی ہے یہ مسجد زیادہ

نقشہ بازار پیش درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ بمقام اجمیر شریف



شاندار نہیں ہے لیکن اسمیں شک نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ایک قدیم عمارت ہے۔ اسکی محرابوں پر یہ کتبہ کندہ ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اور جگہ سے لاکر یہاں لگایا گیا ہے:۔

ای خوشا دور شہنشاہ جہان آفاق گیر — دادگر شاہے کہ آمد زیب اورنگ تقیٰ
خسرو عادل شہنشاہ ولی والی گرو — می تراود از در و دیوار دین مصطفیٰ
ہر کجا شد مسجد و محراب و منبر کو بگو — خطبہ میخوانند از والیل والشمس الضحیٰ
خاصہ آن مسجد کہ نور دیدۂ اہل یقین — قدوۂ ارباب دین سید محمد مجتبیٰ
جانشین قطب ربانی معین الدین کہ او — ہر زمان ہر وقت محبوب جناب کبریا
رونق افزائے گرامی مسند پیران چشت — زینت آرائے نگارین نقش الوان ہدیٰ
کرد برپا مایۂ عقبیٰ برائے عالمے — بلکہ بہر عاصیان توقیع و فرمان نجیٰ
حسابش للہ بے تکلف از ملایک بگذرد — ہر کہ باشد اندرو یک لحظہ در ذکر خدا

بود تاجی در پے تاریخ سال او خرد
گفت کو بیت المقدس نیک زیبا شد بنا

مسجد کے طاق میں یہ تاریخ کندہ ہے:۔

ساخت چون سید محمد بہر حق — مسجدے زیبا کہ انا لسجد للہ
گفت ہاتف سال تاریخ بنا — جبہۂ للہ بیت مسجدہ

مسجد میا بائی

مسجد سید محمد سے آگے مسجد میا بائی ہے۔ یہ مسجد سید محمد سے بڑی ہے اور اسکے

پانچ در ہیں مسجد کے جانب شمال صحن میں پختہ کنواں ہے۔ یہ مسجد ۱۰۵۳ھ میں سنگ سرخ سے بنی ہے۔ اسکے محراب پر کلمہ طیبہ سن تعمیر اور میا بائی کا نام کندہ ہے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ میا بائی کون تھی۔ اس مسجد کی وضع نہایت اچھی اور شاندار ہے۔ اسکے نیچے کچھ دوکانیں بھی ہیں جو مسجد کی ملکیت ہیں۔

مسجد تلوکڑی

مسجد میا بائی سے آگے مسجد تلوکڑی ہے۔ یہ مسجد ۱۰۶۲ھ میں تلوکڑی دختر تانسین نے شہنشاہ اکبر کے عہد میں تعمیر کی تانسین ہندوستان کا مشہور گویّا تھا جو اکبر کے عہد میں گذرا ہے۔ اس مسجد کی تین محرابیں ہیں لیکن اسکے سامنے کا صحن بہت چھوٹا ہے اسکے گنبد لداؤ ہیں۔ وسط کی محراب پر سنگین لوح میں یہ عبارت کندہ ہے:-

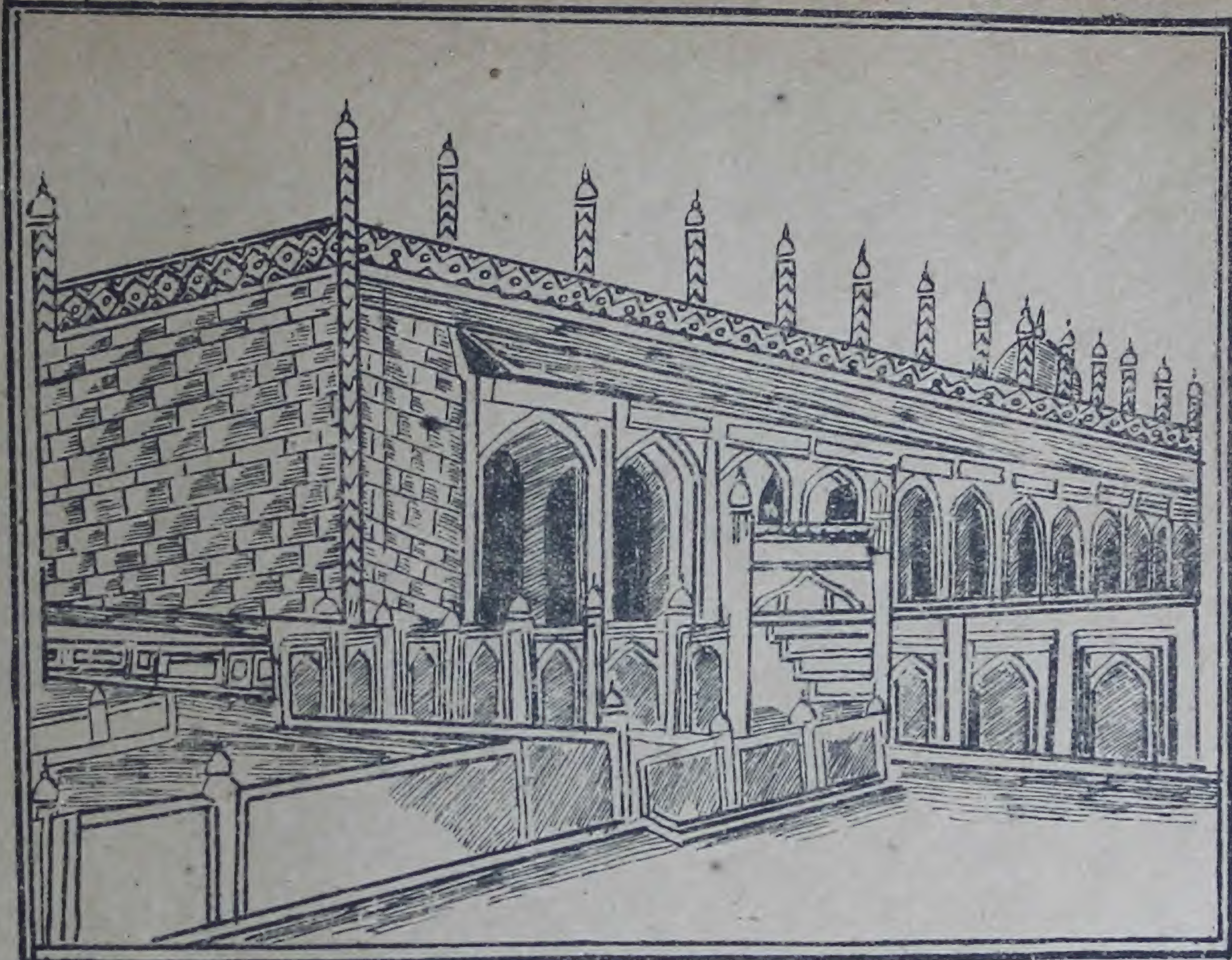
اللہ اکبر

این مسجد را بائی تلوکڑی کلاونت بچی بنت میاں تانسین کلاونت راست کرده است ۱۰۶۲ھ

شاہجہانی مسجد

درگاہ بازار کے اختتام پر دہلی دروازہ کے قریب فصیل شہر سے متصل سنگ سرخ کی یہ خوشنما مسجد واقع ہے۔ اسمیں کوئی کتبہ نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا کہ یہ کس سن میں کس کی طرف سے تعمیر ہوئی۔ لیکن اسکی ساخت سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً شاہجہاں کے عہد میں تعمیر کی گئی اسلئے بالعموم شاہجہانی مسجد مشہور ہے اس مسجد کے تین در ہیں جو خوبصورت اور عالیشان ہیں۔ سامنے ایک خوشنما صحن ہے۔ اسکے

نقشہ مسجد شاہجہانی اندرون درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی (بمقام اجمیر شریف)



سے نیچے بھی دوکانیں ہیں جو مسجد کی ملکیت ہیں۔

موتی کٹڑہ

مسجد میا بائی کے بالمقابل ایک عالیشان دروازہ ہے۔ اندر ایک وسیع چوک ہے جسمیں چاروںطرف دوکانیں بنی ہوئی ہیں۔ بعض مورخین کا قیاس ہے کہ یہ کسی زمانہ میں میا بائی کی حویلی تھی اور اسی کے سامنے اُسنے یہ مسجد بھی تعمیر کی تھی۔

پھول محل

موتی کٹڑہ کے شمالی حصہ میں شاہ اکبر کے عہد کا ایک محل تھا جسکا دروازہ گلی مدو شہید میں ہے۔ اب یہ محل وغیرہ تو نہیں ہے اور لوگوں نے اسجگہ مکانات بنا لئے ہیں لیکن محل کا سنگین دروازہ ہنوز باقی ہے۔

درگاہ برہان الدین قتال

یہ درگاہ پھول محل کے گوشہ شرق و شمال میں ہے۔ محوطہ کے اندر چونہ اور گچ کا ایک گنبد بنا ہوا ہے اسکے اندر حضرت برہان الدین قتال اور انکی بیوی مدفون ہیں ہر سال ۲۱ رجب کو یہاں عرس ہوتا ہے۔ گنبد کے قریب ایک سنگ سُرخ کا پختہ کنواں ہے۔ جنوب رو ایک سرخ پتھر کا دالان بھی ہے۔ چونکہ یہ درگاہ ہندو عطر سازوں کے محلہ سے قریب ہے اسلئے جو عطر ساز نیا عطر نکالتا ہو وہ پہلے اس مزار پر عطر کی سینچین نذر کرتا ہے۔

جدید عمارات

اجمیر اسٹیشن:۔ راجپوتانہ میں بی بی اینڈ سی آئی ریلوے کا یہ سب سے بڑا جنکشن ہے۔ یہ عمارت ۱۲۹۰ھ میں تعمیر ہوئی پھر رفتہ رفتہ اسمیں ترقی اور اضافہ ہوتا رہا اسوقت راجپوتانہ

میں بی بی اینڈ سی آئی ریلوے چھوٹی لائن پر یہ اسٹیشن سب سے بڑا اور خوبصورت ہے

گھنٹہ گھر (جیوبلی ٹاور)

یہ پہلا بلند نظارہ ہے جو اسٹیشن سے باہر نکلتے ہی ایک سیاح کے پیش نظر ہوتا ہی یہ چو پہلو مینار ۱۸۸۸ء میں ملکہ معظمہ کوئن وکٹوریا کی جیوبلی کی یادگار میں اسٹیشن کے مقابل سنگ مرمر اور سنگ سرخ سے تعمیر کرایا گیا۔ اسکے بالائی حصہ میں ہر چہار جانب چار بڑی بڑی گھڑیاں نصب ہیں جو دور سے نظر آتی ہیں۔ رات کے وقت ان میں گیس کی روشنی کیجاتی ہے اسکی بلندی قریباً ۷۲ فیٹ ہے اور اوسکی تعمیر میں تخمیناً دس ہزار روپیہ صرف ہوا۔ اسکے مینار کے چاروں طرف ایک چھوٹا سا باغیچہ ہے اور بالعموم سیر و تفریح کے لئے لوگ یہاں آکر بیٹھتے ہیں۔

یادگار کرزن وائلی

آنریبل لفٹننٹ کرنل سر ولیم ہٹ کرزن وائلی چیف کمشنر اجمیر میر واڑہ و ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ یکم جولائی ۱۹۰۹ء کو بمقام امپیریل انسٹیٹیوٹ لندن کسی بدمعاش کے ہاتھ سے قتل کئے گئے۔ اسکے ایک سال بعد انکی یادگار میں یہ عمارت تعمیر کی گئی اور اسکے مصارف اجمیر و راجپوتانہ کے امرا اور روسا نے ادا کئے۔ یہ عمارت سرتاپا سنگ مرمر کی ہے اور بہت خوش وضع اور نفیس ہے اور گو کہ ایک چھوٹی سی عمارت ہے لیکن صاحب بہادر کی پائدار محبت کے اظہار کے لئے کافی ہے۔

مسجد سرائے (مسجد گھنٹہ گھر)

مذکورہ بالا گھنٹہ گھر کے جانب جنوب یہ عالیشان مسجد واقع ہی جو اب مسجد گھنٹہ گھر کہلاتی

ہے۔ یہ مسجد ۱۲۵۹ھ میں میر سعادت علی میر منشی ایجنٹی راجپوتانہ نے تعمیر کی۔ ریلوے اسٹیشن کے قرب کی وجہ سے شہر کی دوسری مساجد کے مقابلہ میں زیادہ آباد ہے حال ہی میں مسجد کے جانب شرق سنگ سرخ سے ایک عمارت لبشکل بارہ دری تعمیر کیگئی ہے۔ مسجد کی محراب پر سنگ مرمر کی لوح میں یہ کتبہ کندہ ہے:۔

میر سعادت علی کرد در اجمیر طرح
مسجد و چاہے کہ ہست از چشمۂ آب بقا

آن کہ از باقر علی تا بہ علی میر سد
حلقہ بحلقہ ہم سلسلہ اش مرحبا

ساختہ شد این مکان گرو بدل اجر آن
از رہ صدق و صفا نذر رسول خدا

از پے این سال نیک گفت ہمایوں سروش
چشمۂ زمزم صفت مسجد کعبہ بنا

کتبۂ میر جلال الدین مرصع رقم ۱۲۵۹ھ

ایڈورڈ میموریل

شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم موجودہ عہد میں دنیا کے زبردست ترین بادشاہ تھے۔ انکی تمام عمر صرف امن و صلح کے قیام میں گذری اور اسلئے آج دنیا انکے نام کے ساتھ Peacemaker صلح جو کا لفظ استعمال کرتی ہے۔ یہ ممکن نتھا کہ ایک ایسے عظیم الشان بادشاہ کو دل سے بھلا دیا جاتا رعایا ۱۹۱۰ء میں آپکی وفات کے حادثہ سے متاثر تھی۔ جگہ جگہ انکی یادگاریں قایم کی گئیں اور اس نامور صلح پسند بادشاہ سے قلبی محبت کا عملی مظاہرہ کیا گیا۔ اجمیر و راجپوتانہ کے روسا نے بھی اعلیٰ حضرت ملک معظم کی یادگار میں ایک عمارت بنانے کا تہیہ کر کے چندہ جمع کیا اور یہ سرائے بنائی گئی۔ یہ ایک شاندار عمارت ہے جسمیں نہایت صاف و ہوادار کمرے ہیں اور مختلف درجے کے مسافروں کے لئے مختلف کمرے ہیں۔ سامنے ایک چھوٹا سا خوشنما باغیچہ ہے۔ پہلے اور دوسرے درجہ میں کرایہ دینا پڑتا ہے لیکن تیسرے درجہ میں

ہر ایک مسافر تین روز تک مفت قیام رکھ سکتا ہے۔ اس عمارت کا سنگ بنیاد ۱۶ نومبر ۱۹۱۲ء کو ہز ایکسلنسی بیرن ہارڈنگ وائسرائے کشور ہند نے رکھا۔

معینیہ اسلامیہ ہائی اسکول

اجمیر میں مسلمانوں کی تعلیمی حالت بہت پست تھی اور ضرورت تھی کہ اسکے لئے معقول انتظام کیا جائے۔ انجمن اسلامیہ کی جانب سے ایک چھوٹا سا پرائمری اسکول قایم تھا مگر ضروریات کے لئے یہ کافی نہ تھا۔ جب کرنل پرچرڈ اجمیر کے کمشنر ہو کر آئے تو اونھوں نے مسلمانوں کی تعلیمی پستی کا احساس کر کے انجمن اسلامیہ اور شہر کے دیگر مسلمانوں کو ایک ایسے تعلیمی انسٹیٹیوشن کے قیام کی طرف توجہ دلائی جو مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کو پورے طور پر کافی ہو۔ کرنل پرچرڈ کی ہمدردی نے مسلمانوں کی ہمت افزائی کی اور اس عمارت کے لئے درگاہ سے زمین وغیرہ دی گئی اور بالآخر ستمبر ۱۹۰۹ء میں کرنل اسٹریٹین کمشنر اجمیر نے اس عظیم الشان عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس عمارت کی تیاری میں قریباً ستر ہزار روپیہ صرف ہوا۔ یہ عمارت اپنی خوبی کے اعتبار سے اپنی آپ نظیر ہے۔

اسوقت اسمیں ایک باقاعدہ ہائی اسکول قایم ہے جسکا الحاق الہ آباد یونیورسٹی سے ہے۔ اسوقت اس اسکول میں قریباً پانسو لڑکے ہیں اور ایک نہایت قابل و تجربہ کار اسٹاف کام کر رہا ہے۔ بہرحال راجپوتانہ میں مسلمانوں کا کوئی اسکول اس شان کا نہیں ہے۔

مارٹنڈیل برج

یہ پل قیصر گنج کے آخری حصہ میں ریلوے لائن پر بنایا گیا ہے اوپر کی سڑک پر گاڑیوں اور موٹروں کی گذرگاہ ہے ۱۹۰۶ء میں قریباً ایک لاکھ روپیہ کے صرفہ سے بنکر تیار ہوا

یہ پل مسٹر مارٹنڈیل کمشنر اجمیر میرواڑہ کی یادگار میں بنایا گیا۔

ٹریور ٹاؤن ہال

یہ خوشنما عمارت مدار دروازہ سے باہر کرنل ٹریور ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ و چیف کمشنر اجمیر میرواڑہ کی یادگار میں مسٹر مارٹنڈیل چیف کمشنر اجمیر میرواڑہ کی تحریک سے بنائی گئی۔ سنہ ۱۸۹۹ء میں اسکی تعمیر شروع ہوئی اور سنہ ۱۹۰۱ء میں تکمیل ہوگئی۔ اسوقت اس عمارت میں میونسپل بورڈ کا دفتر اور پبلک لائبریری ہے۔

مندر مولچند سوہانی

یہ مندر آگرہ دروازہ سے باہر سنگ سرخ سے تعمیر ہو رہا ہے۔ اس کا کار تعمیر عرصہ دراز سے جاری ہے اور لاکھوں روپیہ صرف ہو چکا ہے اسوقت راجپوتانہ میں اس شان کا دوسرا جین مندر نہیں ہوگا شیشہ کا کام اس مندر میں بہت نایاب ہے۔

تمت